قراءت اکیڈمی ®
لاھور

تالیف

استاذ القراء والمجودین حضرت
مولانا قاری محمد کرامت علی جونپوری

تصحیح۔ تبویب وحواشی

قاری نجم الصبیح التھانوی

قرأت اکیڈمی ®
28- الفضل مارکیٹ 17- اُردو بازار۔ لاہور
Ph.: 042 - 7122423

انتباہ

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب	------	ھندی شرح جزری
تالیف	------	حضرت قاری کرامت علی جونپوریؒ
حواشی	------	قاری نجم الصبیح تھانوی
ناشر و طابع	------	قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور
کمپوزنگ	------	یونیک گرافکس۔الفضل مارکیٹ،
سرورق ڈیزائن	------	اردو بازار لاہور۔ 0300-4240141
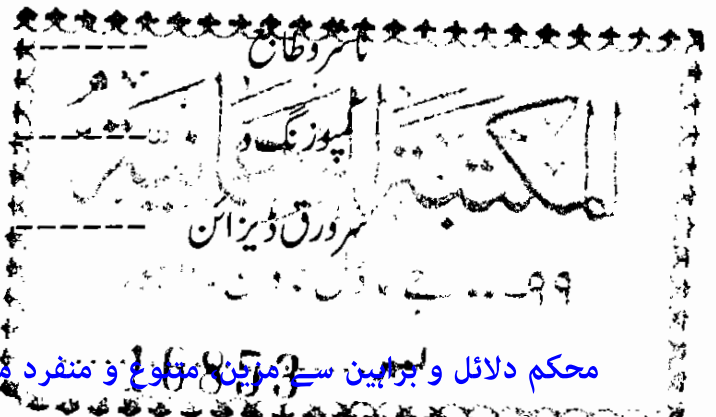
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اردو زبان کی اولین شرح المقدمۃ الجزریہ "ھندی شرح جزری" دیدہ زیب انداز وبیان سے مزین ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت شارح استاذ القراء مولانا قاری کرامت علی صدیقی جونپوریؒ نے یہ کتاب آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے تحریر فرمائی تھی۔ کتاب کی افادیت اپنی جگہ پر مسلم ہے اس وجہ سے قرآءت اکیڈمی نے اس کو چھاپنے کا پروگرام بنایا مگر ضروری تھا کہ ڈیڑھ سو سالہ پرانی اردو کو موجودہ دور کے تقاضوں کے ہم آہنگ کیا جائے۔ اس کے لیے قرآءت اکیڈمی نے عزیزم قاری نجم الصبیح تھانوی سلمہ سے اس پر کام کرنے کی درخواست کی جس کو منظور کرتے ہوئے عزیز موصوف نے شرح مذکور کی زبان کو موجودہ دور کے مطابق ڈھالا نیز کتاب کی تصحیح۔ تبویب اور قابل ضرورت وضاحتی مقامات پر حواشی سے کتاب کو مزین کیا۔ اور ان تمام مراحل سے گزر کر کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اللہ پاک اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ اور قرآءت اکیڈمی کو اسی طرح تجوید وقرآءت کے فروغ میں مصروف عمل رکھے۔ پروف ریڈنگ میں عزیزم قاری محمد طارق صاحب سلمہ نے معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر عطائے فرمائے۔ آمین

محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
مطابق مارچ ۲۰۰۴ء

والسلام علیکم
عُزیر احمد تھانوی
مدیر قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

حالات شیخ القراء مولانا کرامت علی صدیقی جونپوری ؒ

آپ کا پورا نام کرامت علی صدیقی تھا۔ آپ کے والد کا نام ابو ابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ بن شیخ گل محمد بن شیخ محمد دائم ہے۔ سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ولادت باسعادت ۱۸ محرم الحرام ۱۲۱۵ھ کو محلّہ ملاٹولہ جونپور میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد والد ماجد سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ خوش نویسی کا درس بھی ان سے لیا۔ علوم دینیہ مولانا قدرت اللہ سے۔ علم حدیث مولانا احمد اللہ انافی سے۔ معقولات مولانا احمد علی چڑیا کوٹی سے۔ علم تجوید وقرآءت شیخ احمد اللہ بن دلیل اللہ الانامی سے۔ جو آپ کے پہلے استاد تھے۔ پھر شیخ عمر بن عبد الرسول بن عبد الکریم المکی سے اس کے بعد قاری سید ابراہیم مدنی سے۔ بعد ازاں قاری سید محمد اسکندرانی سے حاصل کیا اور حضرت شاہ عبد العزیز محدیث دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ دونوں سے علوم دینیہ میں استفادہ کیا۔ ۱۸ سال کی عمر میں حضرت سید احمد بریلویؒ کے مرید ہوئے۔ خوشنویسی میں حافظ عبد الغنی خوش نویس کے شاگرد تھے جن کو حافظ محمد علی خوش رقم سے تلمذ تھا۔ مولانا خوش نویسی میں ہفت قلم تھے۔ ایک چاول پر پوری قل ہو اللہ مع بسم اللہ کے لکھتے تھے اور آخر میں اپنا نام بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ حروف نہایت خوش خط اور واضح ہوتے تھے۔

تحصیل علوم دینیہ کے ساتھ فن سپہ گری سیکھنے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ بانک۔ پٹہ۔ بنوٹ۔ گتکا۔ اور کشتی یہ ہنر اکھاڑے میں جا کر مغرب کے بعد سیکھا کرتے۔ مولانا کے دشمنوں نے ایک دفعہ ایک دومنزلہ عمارت پر لے جا کر آپ کو ہلاک کرنا چاہا تو آپ اپنے انہی فنون کی مدد سے مجمع کو مبہوت بنا کر نکل آئے۔

جب آپ جسمانی تربیت سے فارغ ہو گئے اور خود کو میدان جہاد کے لیے اہل بنا چکے تو مرشد کے پاس جا کر سکھوں کے خلاف جہاد میں جانے کی اجازت چاہی حضرت نے آپ کو مشورہ دیا کہ تم جہاد باللسان کرو جہاد بالسیف کے لیے اور بہت سے جانباز موجود ہیں۔ تبلیغ دین جہاد اکبر ہے تمہاری زبان اور قلم میری ہدایت کی ترجمانی کریں گے۔ غرض اس حکم کے بعد آپ

واپس ہو گئے۔ بنگال۔ بہار۔ آسام خصوصاً نواکھالی میں اکاون سال تک برابر اصلاحی کام انجام دیتے رہے۔ اس زمانہ میں اس علاقے کی جو حالت تھی اسے مولانا عبدالباطنؒ نے ''سیرت مولانا کرامت علیؒ ''میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

''اس زمانے میں دینی حالت حد درجہ بگڑ چکی تھی۔ لوگ صوم وصلوٰۃ کی پابندی سے آزاد ہو چکے تھے۔ بلا جھجک خلاف شرع کام کرتے تھے۔ شادی بیاہ میں ہندوانہ رسوم ادا کرتے۔ ستر اور لباس کی پابندی کا لحاظ نہ تھا۔ اکثر لوگ لنگوٹی ہی میں بسر کرتے۔ ہندوانہ شکل وشباہت کے علاوہ نام بھی ہندوانہ تھے۔ بعض جمعہ سے منکر تھے۔ ظہر اور عصر کے لیے جب حضرت نے اذان دینا شروع کی تو اکثر مسلمان عوام تعجب سے کہنے لگے کہ صبح وشام کی اذان تو سنی تھی یہ دن کی اذان تو نئی جدت ہے''۔

غرض اس ماحول میں حضرت نے کام شروع کیا۔ جونپور کی جامع مسجد میں نماز موقوف ہو چکی تھی۔ عبادت کے بجائے کھیل تماشے کے لیے کلب کے طور پر استعمال ہونے لگی تھی۔ صحن میں مویشی باندھے جاتے تھے جن کا گوبر بھی وہیں پڑا رہتا تھا۔ آپ نے جدوجہد کر کے جامع مسجد کو مویشیوں اور ان لوگوں سے پاک کیا اور اس میں نماز با جماعت کا انتظام کیا۔ منشی امام بخشؒ رئیس جونپور نے حضرت کی ایما سے اس مسجد میں مدرسہ حنفیہ قائم کیا۔ جس کے اخراجات کی کفالت کے لیے بڑی جائیداد وقف کردی۔ اس مدرسہ میں اکابر علماء درس دیتے رہے۔ یہاں تجوید وقرآءت تفسیر وحدیث کا درس دیا جاتا تھا۔ پہلے مدرس مولانا عبدالحلیمؒ فرنگی محلی (والد مولانا عبدالحی لکھنویؒ) مقرر ہوئے۔ حافظ احمد صاحبؒ نے مولانا سے قرآن حفظ کیا۔ قرآءت سیکھی اور کتب درسیہ پڑھیں۔ مولانا عبدالحیؒ مدرسہ حنفیہ میں رہ کر قرآن پاک حفظ کرتے رہے۔

جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں شیخ القراء حضرت قاری سید محمد اسکندرانیؒ سے دو ڈھائی سال قرآءت سبعہ وعشرہ سیکھتے رہے ان سے سند حاصل کرنے کے بعد عربی کے ایک مختصر رسالے کا جو اس وقت بہت مقبول تھا اردو میں ترجمہ کیا اور سید محمد کے فرزند سید ابراہیمؒ

کو دکھایا صاحب موصوف نے اس کا نام ''زینت القاری'' تجویز کیا۔ قاری کرامت علی صاحبؒ نے اس رسالے کے ساتھ مزید مضامین بھی شامل کئے اور اس مزید مضمون کا نام ''رسالہ معروف بہ مخارج الحروف'' رکھا اس کے بعد آپ نے فارسی میں المقدمۃ الجزریہ کی شرح لکھی اور بعد ازاں شرح جزری ہندی لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔ اب تک کئی بار چھپ چکی ہے۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد مولانا قاری کرامت علیؒ کی قرآءت کی شہرت ہوئی۔ خوش الحان تھے۔ پرسوز آواز سے پڑھتے تھے جس سے سننے والوں پر اثر ہوتا۔ مصنفؒ ''تجلی نور'' ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''از علمائے ناموراں دیار واز مشاہیر واعظ ہندوستان بود۔ ذات بابرکاتش سرمایہ ناز جونپور بود۔ قاری ہفت قرآءت بودے۔ کلام مجید را بہ آواز خوش و بہ لحن پُر درد خواندے۔ خامہ اش اصل اصول کلک خطاطان زمن و در خوش خطی نستعلیق و نسخ و طغرا دستگاہش احسن بر یک دانہ برنج قل ہو اللہ تمام نوشتے۔''

مولانا کرامت علیؒ نے ''شرح شاطبی'' بھی لکھی ہے۔ نیز ''کوکب دری'' کے نام سے سلیس اردو میں لغات قرآنی کا ترجمہ کیا۔

مولانا کرامت علیؒ نے چار بیویاں کیں۔ پہلی بیوی سے (۱) حافظ احمد علی (۲) حافظ محمود علی اور چھ لڑکیاں ہوئیں۔ دوسری بیوی لاولد رہیں۔ تیسری بیوی سے مولانا حامد علی پیدا ہوئے۔ چوتھی بیوی سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے (۱) محمد عمر علی (۲) مولانا عبدالاول ان میں سے اکثر قاری و حافظ تھے۔

آپ کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل ممتاز تھے:

(۱) قاری محمد جاوید سلہٹی (۲) قاری غلام سرور تیروی (۳) قاری محمد احمد تیروی (۴) قاری حافظ محمد حاتم امام مسجد کولوٹولہ کلکتہ (۵) قاری عبدالرحمٰن ڈھاکوی (۶) قاری آقا شجاعت علی گوال پاڑوی (۷) قاری مولانا حافظ احمد علی جونپوری فرزند (۸) قاری مولانا

عبدالقادر جونپوری بھتیجے (۹) قاری مصلح الدین بھتیجے (۱۰) قاری حافظ محمود علی فرزند (۱۱) قاری مولانا محمد محسن بھتیجے (۱۲) قاری مولانا محمد علی جونپوری (۱۳) قاری مولانا حامد علی فرزند (۱۴) قاری حافظ عبدالاول جونپوری فرزند

مولانا قاری کرامت علیؒ کے بھائی قاری رجب علی بھی فن تجوید وقرآءت کے عالم تھے۔

مولانا قاری کرامت علی صدیقی جونپوریؒ کا ۱۲۹۰ھ میں رنگ پور (بنگلہ دیش) میں انتقال ہوا۔ آپ وہیں مدفون ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

سب تعریفیں اس نعمت دینے والے کے لئے ہیں جس نے عرب وعجم کے تمام شیریں بیان لوگوں سے زیادہ شیریں بیاں اور خوش آواز اور خوش رو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کو ترتیل اور تجوید سے نازل کیا [1] اور قرآن حکیم کو ٹھہر ٹھہر کے ترتیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پڑھنے کا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا۔ [2]

اور بے شمار درود وسلام نازل ہوں اللہ کے رسول اور محبوب سید الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خود بھی قرآن کو خوش آوازی سے پڑھتے تھے اور اپنی امت کو بھی فرمایا کہ جو کوئی قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ [3]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جنہوں نے قرآن عربی کو عرب کی لغت [4] کے قاعدے کے ساتھ ترتیل اور تجوید سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا٥ (الاسراء)
یعنی قرآن کو ہم نے واضح طور پر ترتیل کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لوگوں کے سامنے ترتیل سے پڑھ کر سنائیں۔

[2] وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا٥ (المزمل)
یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر باطمینان پڑھئے۔

[3] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ. (بخاری) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن پڑھنے میں عمدہ آواز نہ بنائے وہ ہم میں سے نہیں۔

[4] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ. (موطا—نسائی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قرآن کو عربوں کے لب ولہجہ میں پڑھو۔

سے سیکھا اور حضرات تابعین کو پھر بعینہٖ اسی طرح تعلیم دی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اتباع کرنے والوں پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام قراء پر رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔ آمین!

بعد اس کے میں کرامت علی صدیقی جونپوری عفا اللہ عنہ کہتا ہوں کہ سارے علوم سے افضل قرآن مجید کے حروف کی تجوید اور اس کے الفاظ کی تحسین اور تصحیح کا علم ہے۔ جو کہ قرآنی علوم میں اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ علم قرآن کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے علم فروع اور شاخ کی مانند ہیں کیونکہ وہ قرآن کے احوال اور صفات کے علاوہ ہیں۔ اس وقت ہمارے ملک میں اس علم کا نور بجھ گیا ہے اور اس کا نشان باقی نہیں رہا اور ایسے لوگ جو اس کے سیکھنے سکھانے میں مشغول ہوں کمیاب ہیں اور ایسے لوگ جو اس علم کی تلاش و جستجو کریں اور اس کے پھیلانے میں لگے رہیں تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔

لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور سین اور صاد میں فرق نہیں کرتے اس کی تلاوت کرتے ہیں اور زاء اور ضاد کو جدا نہیں کرتے۔ یہ خاکسار خود بھی اس غلط خوانی اور تحریف کلمات قرآنی کی مصیبت و بلا میں (اگرچہ یہ قصداً نہ تھی) گرفتار تھا۔ حروف کی تجوید اور تحسین قرآءت کو نہیں جانتا تھا پھر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور اس کی توفیق کی بدولت میں اپنی غلط خوانی پر مطلع ہوا اور تجوید کے علم سے ناواقفیت پر شرمندہ اور پشیمان ہوا اور تجوید کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو واجب جانا تب ایک مدت دراز تک تجوید کے سیکھنے اور تحقیق کرنے میں کمر ہمت باندھی اور شب و روز محنت کی اور عرب کے قراء حضرات کی صحبت اختیار کی خصوصاً قاری اور مجود استاذ القراء والمقرئین حضرت سید محمد اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو کر دو اڑھائی برس تک جناب سے تجوید سیکھتا رہا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم اور فضل سے جس قدر کہ میرا حصہ مقدور تھا اس علم کو مجھے عطا فرمایا اور عجمی لب ولہجہ کو عربی لب ولہجہ سے بدل دیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ٥ یعنی اور جو احسان تیرے رب کا تجھ پر ہے اسے بیان کر۔ اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ حکم کو دل و جان سے قبول کر کے اپنے بھائیوں کی محبت کے جوش میں پہلے فارسی میں المقدمۃ الجزریہ کی شرح تحریر کی اور اس کے بعد فائدہ عام کی نیت سے مزید علوم کی ابحاث جو طلباء کے لئے مفید تھیں شرح اردو میں کی اور اس شرح کا نام "ھندی شرح جزری" رکھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے حضور التجا ہے کہ اے رب العالمین اس کی جزاء دنیا و آخرت میں ہم تجھ سے ہی چاہتے ہیں اور اس شرح سے تو ہمارے بھائیوں کو خوب فائدہ پہنچا۔ آمین یارب العالمین.

اب اس کے بعد شرح شروع کرتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

(۱) يَقُوْلُ رَاجِيْ عَفْوِ رَبٍّ سَامِعِ
مُحَمَّدُ بْنُ الْجَزَرِيِّ الشَّافِعِيْ

ت: کہتا ہے امیدوار۔ سننے والے پروردگار کی معافی کا جو پوشیدہ اور ظاہر سب سنتا ہے اس امیدوار کا نام محمد ہے اس کی کنیت ابوالخیر اس کا لقب شمس الدین اس کا نام محمد اور اس کے باپ اور دادا کا نام بھی محمد ہے۔ [۵] اور وہ محمد جزری ہے یعنی عرب کے جزیروں میں سے ایک جزیرے کا رہنے والا [۶] اور قوم میں بنی شافع کے قبیلوں میں سے تھا یا یہ کہ شافعی مذہب تھا۔ [۷]

۵ علامہ جزری کا پورا نام ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف المعروف ابن الجزریؒ ہے تفصیل کے لئے دیکھو الغایۃ النہایۃ جلد ۲۔

۶ الجزری مشرق وسطی میں حدود شام کی ایک آبادی کا نام "جزیرہ ابن عمر" تھا حضرت کے آباؤ اجداد اسی علاقہ کے رہنے والے تھے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جزری کہا گیا۔ (الجواہر النقیہ ص ۱)

۷ بعض حضرات نے بنو شافع کے قبیلہ سے اور بعض نے نسب کی رو سے شافعی لکھا ہے مگر علامہ احمد الجزریؒ اپنی شرح میں الشافعی کا مطلب شافعی المذہب ہونا تحریر فرماتے ہیں۔ (الحواشی المفہمہ ص ۴)

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ
عَلٰى نَبِيِّهٖ وَمُصْطَفَاهُ

ت : سب تعریفیں اللہ کے واسطے ثابت ہیں اور صلوٰۃ اور بیشمار رحمتیں ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نازل کرے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ پسندیدہ ہیں ساری مخلوقات میں سے اور مقبول ہیں۔

(۳) مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ
وَمُقْرِئِ الْقُرْاٰنِ مَعْ مُحِبِّهٖ

ت : وہ نبی مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ باران رحمت کا نزول فرمائے اور قرآن کے قاریوں پر اور قرآن کو دوست رکھنے والوں پر اپنی باران رحمت کا نزول فرمائے۔

(۴) وَبَعْدُ اِنَّ هٰذِهٖ مُقَدِّمَهْ
فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ اَنْ يَّعْلَمَهْ

ت : اور بعد حمد وصلوٰۃ کے بیشک یہ رسالہ مقدمہ ہے کہ اس کو میں نے پیش کیا ہے اور شائقین کے حضور میں حاضر کیا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس رسالہ کا نام مقدمہ جزری ہے یہ رسالہ ان چیزوں کے بیان میں ہے جن کا جاننا قرآن پڑھنے والوں پر واجب ہے۔

(۵) اِذْ وَاجِبٌ عَلَيْهِمُ مُحَتَّمُ
قَبْلَ الشُّرُوْعِ اَوَّلًا اَنْ يَّعْلَمُوْا

ت : اس واسطے کہ واجب ہے قاریوں پر بڑی تاکید کا واجب کہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے جان لیں۔

(۶) مَخَارِجَ الْحُرُوْفِ وَالصِّفَاتِ
لِيَلْفِظُوْا بِأَفْصَحِ اللُّغَاتِ

ت : حرفوں کے مخارج اور ان کی ساری صفات کو تا کہ ادا کریں قرآن کے لفظوں کو سب زبانوں سے زیادہ فصیح زبان میں۔

ش : اور وہ عربی زبان ہے کہ اس میں قرآن مجید اترا ہے اور یہ زبان ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور جنتی لوگوں کی بھی ہوگی۔

(۷) مُحَرِّرِی التَّجْوِيْدِ وَالْمَوَاقِفِ
وَمَا الَّذِیْ رُسِّمَ فِی الْمَصَاحِفِ

ت : اور تلاوت شروع کرنے سے پہلے تجوید کے ماہر اور درست کرنے والے ہوں اور وقوف کے احکام کے پہچاننے والے ہوں اور اس رسم کے جو عثمانی مصاحف میں لکھی گئی ہے۔

ش : یعنی اس بات کو جانیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو اپنے زمانہ خلافت میں مصاحف لکھوا کے بہت سے علاقوں میں بھیجے تھے اور حکم دیا تھا کہ ان مصاحف کے موافق سب لوگ قرآءت کریں اور اس کے سوا کسی دوسرے مصحف کو معتبر نہ جانیں پس ان مصاحف میں قرآن کے الفاظ کے لکھنے کی رسم اور اصول جس طرح سے مقرر کیے ہیں ان کے جانے بغیر تلاوت ہی نہ ہو سکے گی۔

مثلاً کسی مقام میں ایک لفظ کو دراز تاء سے لکھا ہے اور اسی لفظ کو دوسرے مقام پر گول تاء سے لکھا ہے جیسے رَحْمَتْ رَحْمَةْ، سُنَّتْ سُنَّةْ، جَنَّتْ جَنَّةْ، فِطْرَتْ فِطْرَةْ وغیرہ۔

یا بعض لفظ کہ ایک مقام میں ملا کے لکھا ہے اس کو موصول کہتے ہیں اور دوسرے مقام میں جدا کر کے لکھا ہے اس کو مقطوع کہتے ہیں جیسے كُلَّمَا كُلَّ مَا، بِئْسَ مَا بِئْسَمَا، فِيْمَا فِيْ مَا، فَإِنْ لَّمْ فَإِلَّمْ، وغیرہ اور تفصیل آگے چل کر معلوم ہوگی اور اس کو رسم خط کہتے ہیں۔

(۸) مِــنْ كُــلِّ مَــقْــطُــوْعٍ وَّ مَــوْصُــوْلٍ بِهَــا
وَتَــآءِ اُنْثٰــى لَــمْ تَــكُــنْ تُــكْــتَــبْ بِهَــا

ت : یعنی تمام وہ کلمات جو مقطوع اور موصول لکھے گئے مصاحف عثمانیہ میں اور وہ تاء تانیث جو ھاء کی (گول) شکل میں نہیں لکھی گئی۔

ش : یعنی ضروری ہے کہ جان لیں رسم خط ہر مقطوع اور موصول قرآنی الفاظ کا جس طرح پر عثمانی مصاحف میں لکھا ہے اور جان لیں رسم خط تاء تانیث کا کہ وہ تاء نشانی ہے مونث کی اور اس کے لکھنے کا قاعدہ عرب میں گول تاء کے ساتھ ھاء ہوز کی شکل پر ہے اور وقف میں اس کو ھاء پڑھتے ہیں پس جان لیں کہ رسم خط تاء تانیث کا بعض مقام پر قاعدے کے مطابق ہاء کی شکل پر ہے اور بعض مقام پر عربی قواعد کے برخلاف دراز تاء سے ہے پس اگر ان مقامات کو نہ پہچانیں گے تو وقف کس طرح کریں گے کیونکہ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ دراز تاء کو وقف میں تاء پڑھتے ہیں اور گول تاء کو وقف میں ہاء پڑھتے ہیں مثلاً رَحْمَتَ کا لفظ کسی مقام پر (جب لمبی تاء سے مرسوم ہو) تو حالت وقف میں رَحْمَتْ پڑھا جاتا ہے اور کسی مقام پر رَحْمَةَ (جب گول تاء سے مرسوم ہو) تو "رَحْمَهْ" پڑھا جاتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس یہ سب اپنے مقام پر تفصیل سے معلوم ہوگا۔

بَابُ مَخَارِجِ الْحُرُوْفِ

حرفوں کے مخارج کا بیان

(۹) مَــخَــارِجُ الْــحُــرُوْفِ سَبْــعَةَ عَشَــرْ
عَــلَــى الَّــذِىْ يَــخْتَــارُهُ مَــنِ اخْتَبَــرْ

ت : حروف کے مخارج سترہ ہیں اس قول پر کہ اس کو وہ شخص اختیار کرتا ہے جو (اس فن میں) بڑا باخبر ہوا۔

ش : مخارج حروف کے سترہ ہیں اس شخص کے قول کے مطابق جس نے سترہ مخرج کو اختیار اور قبول کیا ہے اور یہ وہ شخص ہے جس نے بڑی چھان بین کی ہے یعنی مخارج کی تعداد میں اختلاف ہے پس جس نے چھان بین اور خوب تحقیق کی ہے [8] اس کے نزدیک مخارج سترہ ہیں۔

اور مخرج کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اس کو ساکن کرو اور اس کے شروع میں ہمزہ لاؤ جیسے اَبْ، اَجْ، اَوْ، تب جس مقام پر آواز ٹھہرے وہی اس حرف کا مخرج ہے۔

(۱۰) فَـــالِفُ الْـــجَـــوْفِ وَ اُخْتَـــاهَـــا وَهِـــیْ
حُـــرُوْفُ مَـــدٍّ لِّـــلْهَـــوَآءِ تَـــنْتَهِـــیْ

ت : پس الف اس کا مخرج جوف ہے اور اس کے دو ساتھیوں کا اور یہ حروف مدہ ہیں جو ہوا پر ختم ہوتے ہیں۔

ش : یعنی مخرج اول حلق اور منہ کا جوف یعنی درمیانی خالی حصہ ہے پس الف حرف جوف ہے جو ہوا پر ختم ہوتا ہے اور منہ کے کسی حصہ سے تعلق نہیں رکھتا اور الف کے دو ساتھی واؤ مدہ اور یاء مدہ ہیں یہ دونوں بھی جوف سے نکلتے ہیں اور یہ الف اور واؤ اور یاء تینوں حروف مد ہیں کہ ہوا پر تمام ہوتے ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ جس وقت واؤ ساکن ہو اس سے پہلے پیش اور یاء ساکن ہو اس سے پہلے زیر ہو اس وقت ان کو مدہ اور حرف مد کہتے ہیں اور الف ہمیشہ مدہ ہوتا ہے اس لئے کہ ہمیشہ ساکن رہتا ہے اور اس سے پہلے زبر ہوتا ہے پس یہ تینوں حروف مدہ ہیں کہ ان کی آواز ہوا پر تمام ہوتی ہے اور منہ اور حلق کے کسی معین جز پر نہیں ٹھہرتی۔

---

[8] اس سے مراد امام ابوعبدالرحمٰن خلیل بن احمد فراہیدیؒ متوفی ۱۷۰ ہجری ہیں۔

الف تو اپنی حالت نہیں بدلتا ہے اس کا مخرج ہمیشہ جوف دھن رہتا ہے واؤاور یاء جب مدہ ہوتے ہیں تب ان کا مخرج بھی جوف ہوتا ہے وگرنہ ان دونوں کے مخرج جدا ہیں جیسا کہ آگے بیان ہوں گے۔

سیبویہؒ کہتے ہیں کہ الف ہمزہ کے مخرج سے نکلتا ہے یعنی الف ہمزہ کے مقام سے شروع ہوتا ہے اور ہوا پر تمام ہوتا ہے اور واؤاور یاء مدہ کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی آواز کا شروع تو ان کے مخرج سے ہوتا ہے کہ سننے میں واؤاور یاء ہوتے ہیں مگر اس کے بعد یہ دونوں حروف مدہ بھی ہوا پر ختم ہوتے ہیں جیسے بِالسُّوْٓءِ، اِنِّیْٓ اَنَاَ وغیرہ اور الف جوف سے۔ سیبویہؒ کے قول کے مطابق ہمزہ کے مخرج سے شروع ہوتا ہے اور ہوا پر تمام ہوتا ہے جیسے **ھاء** ہے اور یہ باتیں اس شخص کو تفصیل سے معلوم ہو سکتی ہیں جو کسی معتبر اور اچھے قاری سے استفادہ کرے۔

فائدہ: مخرج کے بیان میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جس حرف کا مخرج مقدم ہوتا ہے یعنی سینے سے نزدیک ہوتا ہے اس کا ذکر پہلے کرتے ہیں اسی قاعدے کے مطابق حضرت ناظمؒ نے ہمزہ سے میم تک حروف کو مخارج کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔

(۱۱) ثُمَّ لِاَقْصَی الْحَلْقِ هَمْزٌ هَآءٌ
ثُمَّ لِوَسْطِهٖ فَعَیْنٌ حَآءٌ

ت : پھر اقصی حلق کے مخرج کے ساتھ ہمزہ اور ہاء مخصوص ہیں اور وسط حلق کے مخرج کے لئے عین اور حاء خاص ہیں۔

ش : دوسرا مخرج اقصی حلق کا یعنی حلق کا آخری حصہ جو سینہ کی طرف ہے اس اقصیٰ حلق سے ہمزہ اور ھاء نکلتے ہیں تیسرا مخرج وسط حلق کا ہے سو اس سے عین اور حاء مہملتین نکلتے ہیں۔ مہملہ بے نقطہ کو کہتے ہیں۔

(۱۲) اَدْنَاہُ غَیْنٌ خَآءُ ھَا وَالْقَافُ
اَقْصَی اللِّسَانِ فَوْقُ ثُمَّ الْکَافُ

ت : ادنیٰ حلق غین اور اس کے ساتھ آنے والی خاء کا مخرج ہے اور قاف کا مخرج اقصیٰ لسان سے ذرا اوپر کی طرف ہے پھر کاف۔

ش : چوتھا مخرج ادنیٰ حلق کا ہے یعنی حلق کا وہ حصہ جو منہ کی طرف ہے اس ادنیٰ حلق سے غین اور خاء معجمتین نکلتے ہیں معجمہ نقطہ والے کو کہتے ہیں۔

پانچواں مخرج اقصیٰ لسان کا ہے یعنی زبان کا وہ حصہ جو حلق کی جانب ہے اور وہی زبان کی جڑ ہے حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قاف کا مخرج اقصیٰ لسان ہے اوپر کے تالو سمیت جو زبان کی جڑ کے برابر ہے۔

اس کے بعد کاف ہے اور اس کے واسطے۔

(۱۳) اَسْفَلُ وَالْوَسْطُ فَجِیْمُ الشِّیْنُ یَا
وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِہٖ اِذْ وَلِیَا

ت : (کاف کا مخرج ذرا نیچے کی طرف ہے) اور وسط زبان جیم شین یاء کا مخرج ہے اور ضاد حافہ لسان سے نکلتا ہے جب کہ وہ متصل ہو۔

(۱۴) الْاَضْرَاسَ مِنْ اَیْسَرَ اَوْ یُمْنَاھَا
وَاللَّامُ اَدْنَاھَا لِمُنْتَھَاھَا

ت : داڑھوں سے یعنی ان داڑھوں کے بائیں یا دائیں جانب سے اور لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے اس زبان کے ختم تک ہے۔

ش : چھٹا مخرج اقصیٰ لسان کا ہے قاف سے کچھ نیچے کی طرف یعنی زبان کے وسط اور جڑ کے درمیان میں اوپر کے تالو سمیت جو اس کے برابر ہے یہ مخرج کاف کا ہے اور ان دونوں حروف کو

''لہویہ'' کہتے ہیں اس واسطے کہ یہ ''لھات'' کے پاس سے ادا ہوتے ہیں۔ لَہات (لام مفتوح کے ساتھ) ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جو زبان کی جڑ کے متوازی تالو کے آخر میں کھانا اترنے کی راہ پر ہوتا ہے اور اس کو **لَوْزہ** (لام مفتوح کے ساتھ) بھی کہتے ہیں اردو میں اسے کوا کہتے ہیں۔

ساتواں مخرج وسط زبان کا ہے مع اوپر کا تالو جو اس کے مقابل ہے پس اس مخرج سے جیم اور شین معجمہ اور یاء (جو کہ مدہ نہیں ہے) ادا ہوتے ہیں۔

فائدہ: واؤ الف اور یاء کو حروف علت کہتے ہیں اور واؤ کو پیش کا قائم مقام الف کو زبر کا قائم مقام اور یاء کو زیر کا قائم مقام کہتے ہیں یعنی واؤ پیش کے موافق ہے الف زبر کے موافق اور یاء زیر کے موافق ہے۔

حرف علت ساکن ہو اور اس سے پہلے کے حرف کی حرکت اس کے موافق ہو تب اس کو مدہ کہتے ہیں حرکت زیر زبر پیش کو کہتے ہیں۔

وَسْطْ واؤ کے زبر اور سین کے جزم سے درمیان اور بیچ کو کہتے ہیں اور **وَسَطْ** واؤ اور سین کے زبر سے عین درمیان کو کہتے ہیں پس ساتواں مخرج جیم اور شین اور یاء غیر مدہ کا ہے جو زبان کے بالکل وسط کا ہے مع اوپر کا تالو کہ وہ بھی تالو کا وسط ہے اور یہاں جو **وَسْطْ** میں سین پر جزم ہے۔ یہ ضرورت شعری کے واسطے لائی گئی ہے۔

فائدہ: چونکہ اب آئندہ بیان ہونے والے مخارج میں دانتوں کو بھی دخل ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دانتوں کی تفصیل بیان کر دی جائے۔

آدمی کے بتیس دانت ہوتے ہیں سولہ اوپر کے جبڑے میں اور سولہ نیچے کے جبڑے میں پھر ان دانتوں کے الگ الگ نام مقرر ہیں۔

(ا) **ثَنِیَّہ یا ثَنَایَا:** یہ نام اگلے چار دانتوں کا ہے اوپر کے سامنے والے دو دانت ثنایا علیا اور نیچے کے دو دانت ثنایا سفلی کہلاتے ہیں۔

(۲) رَبَاعِیَۃ: [۹] راء مفتوح اور یاء اور الف کی تخفیف کے ساتھ' یہ چار دانت ہیں کہ چاروں پہلو میں چاروں ثنایا کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک ملے ہوئے ہیں۔

(۳) نَابْ: یہ بھی چار ہیں کہ ایک ایک چاروں پہلو میں چاروں رباعیہ کے ساتھ ملکر آئے ہیں۔ ناب کی جمع اَنْیَابْ [۱۰] ہے۔

اَضْـرَاسْ ضِرْسْ کی جمع ہے جس کے معنی داڑھ کے ہیں یہ بیس ہیں پھران میں بھی مختلف نام ہیں۔

ضَـوَاحِکْ: ضَوَاحِکْ ضَاحِکْ کی جمع بمعنی ہنسنے والی ضواحک وہ چار داڑھیں ہیں جو ایک ایک چاروں طرف چاروں انیاب کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔

(۵) طَوَاحِنْ: طَوَاحِنْ [۱۱] بارہ ہیں جو ضواحک کے بعد چاروں طرف ہوتی ہیں اور ہر طرف تین تین ہوتی ہیں۔

(٦) نَوَاجِذْ: نَـــاجِــذْ [۱۲] کی جمع ہے اور یہ چار ہوتی ہیں جو طواحن کے بعد چاروں طرف ایک ایک ساتھ ملی ہوتی ہیں۔ آٹھواں مخرج زبان کے دونوں طرف کے کنارے میں سے کوئی ایک کنارہ [۱۳] خواہ دایاں ہو یا بایاں جیسا کہ حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں اس سے ضاد معجمہ

---

[۹] رَبَاعِیَۃ کی جمع رَبَاعِیَاتْ ہے ان کو قَوَاطِعْ بھی کہتے ہیں بمعنی کاٹنے والی۔ رَبَاعًا بمعنی ٹھہرنے کی جگہ کہ ان چار دانتوں میں خوراک ٹھہر جاتی ہے۔

[۱۰] نَابْ کا معنی نوکدار تیز نوکیلے دانت ان کا دوسرا نام کَوَاسِرْ ہے جو کَاسِرَۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں توڑنے والی چیز چونکہ ان دانتوں سے چیزوں کو توڑا جاتا ہے اس لئے ان کا یہ نام تجویز ہوا۔

[۱۱] یہ طَاحِنَۃ کی جمع ہے۔ طَوَاحِنْ پیسنے والی یعنی جو کھاتے ہوئے خوراک کو پیستی ہیں۔

[۱۲] یہ نَاجِذَۃٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد عقل داڑھ ہے۔

[۱۳] زبان کا وہ دائیں بائیں اندرونی کنارہ جو گالوں میں چھپا ہوتا ہے اور داڑھوں سے لگتا ہے اسے اصطلاح میں حافہ کہتے ہیں۔

نکلتا ہے یعنی زبان کے دو کناروں میں سے ایک کنارہ سے جو زبان کی جڑ کے نزدیک ہے پس دونوں میں سے ایک کنارہ پانچوں اضراس کی جڑ [۱۴] سے لگے تو ضاد ادا ہوتا ہے۔

ضاد عموماً بائیں طرف سے اکثر لوگ نکالتے ہیں کہ اس طرف سے ادا کرنا آسان ہے اور دائیں طرف سے کم نکالتے ہیں کیونکہ یہ دشوار ہے مگر دونوں طرف سے نکالنا درست ہے اور یہاں اوپر کے جبڑے کی داڑھیں مراد ہیں۔

نواں مخرج لام کا مخرج ہے زبان کے دونوں کناروں میں سے ایک کنارے کا ادنیٰ' ادنیٰ کہتے ہیں زبان کے اس کنارے کو جو منہ کی طرف ہے اور اس سے لام کا مخرج ادا ہوتا ہے ادنیٰ سے زبان کے کنارے کی انتہا تک جو زبان کی جڑ کی طرف ہے اور اوپر کے تالو کے اس حصے میں جہاں ضاحک اور ناب کے مسوڑھوں پر لگانا چاہیے ان مسوڑھوں پر نہیں جو رباعیہ اور ثنیہ کے اوپر ہیں۔ [۱۵]

---

[۱۴] اضراس کی جڑ کے الفاظ ہندی شرح جزری میں نہیں ہیں حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ نے ان الفاظ کا اضافہ سب سے پہلے فوائد مکیہ میں فرمایا جو مخرج کی وضاحت میں نہایت ضروری بھی تھا اس لیے انہی کی تقلید میں یہاں بھی ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

[۱۵] وَالــلَّامُ اَدْنٰهَــا لِمُنْتَهَا هَا یعنی لام کا مخرج دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کے ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر طرف لسان کے منتہی پر ختم ہوگا گویا ضاحک ناب رباعیہ اور ثنایا کے اوپر تالو سے زبان کا کنارہ لگے گا۔ ادنیٰ حافہ' حافہ کے اسی حصے کو کہا جاتا ہے جو صرف ضاحک سے لگتا ہے مطلب یہ کہ ضاد کا مخرج اقصیٰ لسان کے حافہ اور ناجذ سے شروع ہو کر ضاحک اور ادنیٰ حافہ پر ختم ہوا اور لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر کنارہ زبان کے آخر اور ثنایا کے مقابل پر ختم ہوا معلوم ہوا کہ ضاحک' ضاد اور لام کے مخارج کا نقطہ اتصال ہے۔ ضاد کا منتہیٰ اور لام کا مبداء' لہٰذا اپنے مقدرات کے ساتھ اصل عبارت اس طرح ہوگی۔

وَاللَّامُ مِنْ اَدْنٰهَا اِلٰى مُنْتَهَا هَا

اس بیان کی تائید النشر فی القراءات العشر میں علامہ جزریؒ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

(المخرج التاسع) للام من حافة اللسان من ادناها الى منتهى طرفه ''یعنی نواں مخرج لام کا ہے جو حافہ لسان یعنی ادنائے حافہ سے زبان کے کنارہ کے ختم تک ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

اورلام حروف منحرفہ میں سے ہے کہ اس کے ادا کرتے وقت زبان اوپر کی طرف پلٹتی ہے۔

(۱۵) وَالنُّوْنُ مِنْ طَرَفِهٖ تَحْتُ اجْعَلُوْا
وَالرَّا يُدَانِيْهِ لِظَهْرٍ اَدْخَلُ

ت : اورنون طرف لسان سے لام کے مخرج سے ذرا نیچے سے ادا کرو اور راء نون کے قریب قریب ہی ہے۔ (البتہ اس میں) پشت زبان کو زیادہ دخل ہے۔

ش : دسواں مخرج نون کا مخرج ہے زبان کے کنارے سے اور اوپر کے تالو سمیت جو اس کے مقابل ہے اور نون کے مخرج کو لام کے مخرج سے ذرا نیچے سے ادا کرو۔ (یعنی منہ کی طرف) اور زبان کی نوک اور دونوں ثنایا علیا کے مسوڑھوں سے جو اس کے برابر ہیں ادا کرو۔

گیارھواں مخرج راء مہملہ کا ہے اور وہ نون کے مخرج کے نزدیک ہے لیکن راء کی ادائیگی میں زبان کی پشت کو زیادہ دخل ہے خلاصہ یہ ہے کہ راء کے مخرج پشت زبان کے سر کی طرف سے اور دونوں ثنایا علیا کے مسوڑھوں سے جو اس کے نزدیک ہیں نون کے مخرج کے نزدیک سے نکلتی ہے۔ لیکن راء زبان کے سر کی طرف زبان کی پشت سے نکلتی ہے اور نون زبان کے سر کی طرف کے اوپر سے نکلتا ہے اور لام کی طرح سے راء بھی حروف منحرفہ میں سے ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ————————————

فاللام بادنی الحافة واصلا الی منتهی اللسان علی ما ذکره الجعبری' فاللام بمعنی الی

یعنی لام ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر منتہی لسان تک پہنچتا ہے جیسا کہ جعبریؒ نے ذکر کیا ہے اور لام الی کے معنی میں ہے۔ لہٰذا اَدْنَاھَا سے زبان کا کنارہ مراد لیتے ہوئے منتہی سے زبان کا وہ حصہ مراد لیا ہے جو حافہ سے قریب ہے یہ توصحیح ہوا مگر ادنیٰ سے زبان کے کنارے کی انتہا تک جو زبان کی جڑ کی طرف ہے یہ تشریح غلط ہے۔

(ملخصا الجواهر النقيه شرح المقدمة الجزريه صفحه ۳۴-۳۵)

(۱۶) وَالطَّاءُ وَالدَّالُ وَتَامِنْهُ وَمِنْ
عُلْيَا الثَّنَايَا وَالصَّفِيرُ مُسْتَكِنْ

ت : اور طاء اور دال اور تاء طرف لسان اور ثنایا علیا سے ادا ہوتے ہیں اور حروف صفیر وجود میں آتے ہیں۔

ش : بارہواں مخرج طاء مہملہ اور دال مہملہ اور تاء فوقانیہ کا مخرج ہے (جس تاء کے اوپر دو نقطے ہوں اسے تاء فوقانیہ کہتے ہیں) یہ تینوں حروف زبان کے کنارے اور ثنایا علیاء کی جڑ سے نکلتے ہیں اور ان کے نکلنے کے وقت زبان کا کنارہ اوپر کے تالو کی طرف لگایا جائے۔

تیرھواں مخرج حروف صفیر کا ہے اور حروف صفیر صاد سین اور زاء معجمہ قرار پکڑنے والے ہیں یعنی

(۱۷) مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰى
وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا لِلْعُلْيَا

ت : زبان کے کنارے کے درمیان میں اور ثنایا سفلی کے اوپر سے اس سے یہ تینوں حروف نکلتے ہیں۔

چودھواں مخرج ظاء ذال اور ثاء مثلثہ (یعنی تین نقطوں والی) کے لئے ثنایا علیا ہے اس طرح سے۔

(۱۸) مِنْ طَرْفَيْهِمَا وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ
فَالْفَا مَعَ اطْرَافِ الثَّنَايَا الْمُشْرِفَهْ

ت : کہ یہ تینوں نکلتے ہیں زبان اور ثنایا علیا کے کناروں سے۔

پندرھواں مخرج فاء کا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ نیچے کے ہونٹ کے شکم سے اور ثنایا علیا کے کنارے سمیت یعنی ہونٹ کے شکم سے اور ثنایا علیا کے کنارے سے فاء نکلتی ہے۔

(۱۹) لِلشَّفَتَيْنِ الْوَاوُ بَاءٌ مِّيْمُ
وَغُنَّةٌ مَّخْرَجُهَا الْخَيْشُومُ

ت : دونوں ہونٹوں کے واسطے واؤ باء اور میم مخصوص ہیں اور غنہ اس کا مخرج خیشوم ہے۔

ش : سولھواں مخرج دونوں ہونٹ ہیں اور اس سے تین حروف واؤ باء موحدہ اور میم نکلتے ہیں۔ اس طرح سے کہ واؤ کے ادا ہوتے وقت دونوں ہونٹ ملتے نہیں بلکہ کھلے رہتے ہیں اس کے ادا کی حقیقت یہ ہے کہ جیسے پیش کی حرکت ادا کرتے ہوئے دونوں ہونٹ آگے کو نکلتے ہیں اور ان کے درمیان میں سوراخ رہتا ہے چاہے واؤ پر زبر زیر پیش جزم یا تشدید کوئی علامت ہو اس کا ہر وقت ادا کا یہی طریقہ ہے۔ [۱۶]

اور باء اور میم کے ادا ہوتے وقت دونوں ہونٹ آپس میں مل جاتے ہیں۔ [۱۷]

سترھواں مخرج خیشوم یعنی ناک کا بانسہ ہے اسی کو حضرت مصنفؒ بیان فرما رہے ہیں کہ غنہ کا مخرج خیشوم ہے۔ [۱۸]

فائدہ: غنہ کے لغوی معنی آواز کا نرم کرنا اور ناک کی آواز ہے اور مجودین کی اصطلاح میں غنہ اس صفت کو کہتے ہیں جو نون اور میم ساکن میں اخفاء اور ادغام کی حالت میں پائی جاتی ہے۔ غنہ کی

---

۱۶ یہاں واؤ سے مراد واؤ غیر مدہ ہے واؤ میں انضمام شفتین ہوتا ہے یعنی ہونٹ گول ہو کر ناقص طور پر ملتے ہیں۔

۱۷ باء اور میم اطباق شفتین سے ادا ہوتے ہیں۔ ہونٹوں کے تری والے حصہ سے باء ادا ہوتی ہے اس لئے اسے بحری کہتے ہیں جبکہ ہونٹوں کے خشکی والے حصہ سے میم ادا ہوتا ہے اس لئے اسے بری کہتے ہیں۔

۱۸ بلحاظ مخرج حروف کے نام یہ ہیں جوف دھن سے ادا ہونے والے حروف واؤ الف اور یاء حروف مدہ ہیں۔ ہمزہ ھاء عین حاء غین خاء حروف حلقیہ ہیں۔ قاف کاف حروف لھاتیہ ہیں۔ جیم شین اور یاء حروف شجریہ ہیں۔ ضاد حرف حافیہ ہے لام نون اور راء حروف طرفیہ ہیں۔ طاء دال اور تاء نِطْعِيَةٌ ہیں۔ ظاء ذال اور ثاء حروف لِثَوِيَةٌ ہیں۔ صاد زا اور سین حروف صفیریہ ہیں۔ فاء واؤ باء اور میم حروف شفویہ ہیں اور نون و میم حروف غنہ ہیں۔

حقیقت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ناک کو پکڑ کر اسے دبا کر بولا جائے۔

نون ومیم اخفاء وادغام کی حالت میں اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔[۱۹]

جیسے کہ واؤ اور یاء مدہ کے حروف ہیں کہ وہ جوف سے نکلتے ہیں اور جب مدہ نہیں ہوتے تو پھر جوف سے پھر کر اپنے اصل مخرج سے ادا ہوتے ہیں۔[۲۰]

بَابُ الصِّفَاتِ

صفات کا بیان

جاننا چاہیے کہ حروف کے لئے صفات مقرر ہیں ان ہی صفات کے ذریعہ ان حروف کی بہت سی اقسام مقرر ہیں ان صفات کا شمار چوالیس سے زیادہ تک پہنچتا ہے جیسے مجہورہ' مہموسہ' رخوہ'

---

[۱۹] نون اپنے مخرج سے خیشوم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے مگر مخرج اصلی یعنی طرف لسان کا عمل گو ضعیف درجہ میں ہی ہو رہتا ضرور ہے۔ اس کی مزید تشریح وتوضیح استاذی وشیخی حضرت مولانا قاری ادریس العاصم دامت برکاتہم کی مولفہ شرح فوائد مکیہ میں انتہائی تفصیل سے مذکور ہے نیز قبلہ والد صاحب مکرم استاذ القراء والمجودین حضرت مولانا القاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ کی المرشد فی مسائل التجوید والوقف میں بھی تفصیلاً مذکور ہے اہل علم حضرات ان ہر دو کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۲۰] حضرت شارحؒ نے مخارج کے بیان میں اصول مخارج کا تذکرہ نہیں فرمایا اصول مخارج سے مراد مخارج کے مواقع ہیں اور یہ پانچ ہیں۔

(۱) جوف دھن یعنی منہ کا خلا۔ (۲) حلق۔ (۳) زبان۔ (۴) ہونٹ۔ (۵) خیشوم۔

(۱) جوف دھن کے مخرج سے تین حروف مدہ ادا ہوتے ہیں۔

(۲) حلق میں تین مخرج ہیں ان سے حروف حلقیہ ہمزہ' ھاء' عین' حاء' غین اور خاء ادا ہوتے ہیں۔

(۳) زبان میں دس مخارج ہیں جس سے اٹھارہ حروف ادا ہوتے ہیں۔

(۴) ہونٹ جس میں دو مخرج ہیں اور زبان سے چار حروف ادا ہوتے ہیں۔

(۵) خیشوم اس میں ایک مخرج ہے جس سے نون ومیم بحالت غنہ ادا ہوتے ہیں۔

شدیدہ وغیرہ وعلی ہذا القیاس۔

مجوّدین نے کہا ہے کہ جیسے سونے کے واسطے ترازو ہے ایسے ہی حروف کے واسطے مخارج ہیں یعنی اس سے حرفوں کی کمیت یعنی مقدار اور کس قدر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ صفات مثل کسوٹی کے ہیں اس سے حروف کی کیفیت یعنی انہیں کیسا ہونا چاہیے معلوم ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر حروف میں صفات موجود نہ ہوتیں تو سب حرف ایک طرح کے ہو جاتے جیسے کہ جانوروں کی آوازیں ہوتی ہیں کہ اس لئے کوئی بات نہیں سمجھی جاتی۔

پھر ان صفات مشہورہ میں سے جن کو تجوید کے فن میں بہت دخل ہے وہ کتب تجوید میں دو اقسام کی مذکور ہیں۔

پہلی قسم میں وہ صفات ہیں کہ جو اپنی ضدات سمیت تمام حروف کو شامل ہیں یعنی بعض حروف میں ایک صفت آتی ہے اور اس کی ضد موجود نہیں ہوتی اور بعض حروف میں اس صفت کی ضد ہوتی ہے اور وہ صفت نہیں ہوتی۔ اس قسم کی صفات دس ہیں۔

(۱) جہر اس کی ضد۔ (۲) همس۔ (۳) شدت اس کی ضد۔ (۴) رخاوت۔ (۵) استفال اس کی ضد۔ (۶) استعلاء (۷) اطباق اس کی ضد (۸) انفتاح (۹) اصمات اس کی ضد (۱۰) اذلاق۔

یہ سب صفات ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں اضداد والی صفات تمام حروف کو شامل ہیں کہ بعض حروف مجہورہ ہیں اور بعض مہموسہ بعض رخوہ ہیں اور بعض شدیدہ بعض مستفلہ ہیں تو بعض مستعلیہ بعض منفتحہ ہیں تو بعض مطبقہ، بعض مصمتہ ہیں تو بعض مذلقہ۔ [21]

---

[21] صفات دو طرح کی ہیں۔

(۱) صفات لازمہ متضادہ اور اس میں یہ دس صفات کا شمار ہوتا ہے۔

(۲) صفات لازمہ غیر متضادہ: یہ وہ صفات ہیں جن کی ضدیں نہیں ہے حضرت شارحؒ نے ان کا تعارف نہیں کروایا ہے جیسا تعارف صفات لازمہ متضادہ کا کروایا ہے لہٰذا یہاں اسے بیان کیا گیا۔

(۲۰) صِفَاتُهَا جَهْرٌ وَّرِخْوٌ مُّسْتَفِلْ
مُنْفَتِحٌ مُّصْمِتَةٌ وَّالضِّدَّ قُلْ

ت : صفات حروف میں جہر، رخوت، استفال، انفتاح، اصمات ہیں اور ان کی اضداد بھی تم کہو۔

ش : صفات لازمہ متضادہ میں سے ایک صفت جہر ہے یعنی آواز بلند ہوتی ہے۔ حرف مجہورہ کے ادا کرتے وقت اس کے مخرج پر جب سانس پہنچتا ہے تو سانس کا جاری ہونا موقوف ہو جاتا ہے اور حرف مجہور کے مخرج پر سانس خوب زور سے ٹھہرتی ہے اس کی وجہ سے سانس جاری نہیں ہوتا اور جب سانس جاری ہوتا ہے تو آواز خوب بلند نکلتی ہے اسی وجہ سے اسے مجہورہ کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلے سانس بند ہوتا ہے اور اس کے بعد آواز نکلتی ہے اور یہ بات حروف مجہورہ میں ہر وقت موجود ہوتی ہے چاہے حرف متحرک ہو یا ساکن۔[۲۲]

دوسری صفت رخوت ہے یعنی نرمی۔ حرف رخوہ میں سانس اس کے مخرج میں پہنچ کر بالکل ختم نہیں ہوتی بلکہ جاری رہتی ہے اور یہ حروف اپنی نرمی کی وجہ سے اور ان کے ادا کے ساتھ سانس کے جاری رہنے کے سبب سے یہاں تک کہ بولتے وقت ایسا نرم نکلتے ہیں کہ مہموسہ کے قریب معلوم ہوتے ہیں اسی واسطے یہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں۔[۲۳]

---

[۲۲] جہر یعنی حرف کی آواز کا اس کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ اعتماد ہو کہ سانس جاری نہ رہے بلکہ تمام سانس آواز میں تبدیل ہو جائے جس کی وجہ سے ان حروف کی آواز بلند نکلے۔ یہ انیس حروف ہیں جن کا مجموعہ عَظُمَ وَزْنُ قَارِئٌ ذِیْ غَضٍّ جَدَّ طَلَبٍ یعنی نیچی نگاہ رکھنے والے قاری کا وزن عظیم ہوا اس نے طلب میں کوشش کی۔

[۲۳] رخوت یعنی مخرج میں آواز کا ایسی نرمی سے اعتماد ہو کہ وہ جاری رہے حروف رخوہ میں آواز کے جاری رہنے کی کیفیت واضح طور پر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب یہ حروف ساکن ہوں جیسے مَنَاصٌ، غَوَاشٌ وغیرہ۔ حروف رخوۃ سولہ ہیں جن کا مجموعہ خَسٌّ حَظٍّ شَصٌّ هَزٍّ وَ ضِغْثٌ یَا فَذٌّ یعنی کم نصیبی محنت کی کمی اور پراگندہ حالی سے ہے اے پریشان آدمی۔

تیسری صفت استفال ہے۔ استفال کے معنی پستی ہے چونکہ مستفلہ حروف کی ادائیگی کے وقت زبان پست رہتی ہے اور تالو کی طرف نہیں اٹھتی اس واسطے انہیں مستفلہ کہتے ہیں۔ ۲۴

چوتھی صفت انفتاح ہے یعنی کشادگی منفتحہ حروف کی ادائیگی کے وقت زبان اور تالو کے درمیان میں کشادگی رہتی ہے اور دونوں کے درمیان (یعنی زبان اور تالو کے درمیان) سے ہوا نکلتی ہے اس واسطے ان حروف کو منفتحہ کہتے ہیں۔ ۲۵

پانچویں صفت اصمات ہے یہ صمت سے بنا ہے اور صمت کے معنی خاموشی اور ٹھہرنے کے ہیں پس یہ حرف اس بات سے خاموش ہیں یعنی منع کرتے ہیں کہ چار حرفی یا پانچ حرفی والے لفظ اصلی میں اکیلے ان ہی حرفوں سے بنے کیونکہ یہ ثقیل ہوگا لہٰذا اس کی ضد مذلقہ میں سے کوئی حرف اس چار یا پانچ حرفی کلمہ میں ضرور شامل ہوگا۔ اسی واسطے اہل عرب نے کہا ہے کہ **عَسْجَدْ** عربی لفظ نہیں کیونکہ اس میں کوئی حرف بھی مذلقہ نہیں ہے اور مذلقہ کا بیان آگے آتا ہے۔ ۲۶

اب اگلے شعر سے ان پانچوں صفات کی ضدیں بالترتیب بیان ہوں گی۔ ضد کے معنی الٹ جیسے دن رات روشنی تاریکی کہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں ایسے ہی حروف کی صفات ہیں اب حضرت مصنفؒ ان بیان کردہ پانچ صفات کی ضدیں بیان فرماتے ہیں۔

---

۲۴ مستفل یعنی ان حروف کی ادا کے وقت زبان پست رہتی ہے اور حنک کی طرف نہیں اٹھتی یہ بائیس حروف ہیں جن کا مجموعہ **اُنْشُرْ حَدِيْثَ عِلْمِكَ سَوْفَ تُجَهَّزُ بِذَا** یعنی اپنی علمی بات کو مشہور کر ضرور تجھے اس کے بدلہ میں سروسامان دیا جائے گا۔

۲۵ منفتح یعنی جن حروف کی ادائیگی کے دوران زبان حنک کے غار اعلیٰ کو بند نہ کرے بلکہ زبان اور حنک کا وسط کھلا رہے حروف منفتحہ پچیس ہیں جن کا مجموعہ **مَنْ اَخَذَ وَجَدَ سَعَةٍ فَزَ كَا حَقَّ لَهُ شُرْبُ غَيْثٍ** یعنی جو وسعت مال کی تونگری پائے اور وہ مال پاکیزہ ہو تو بارش رحمت کا پینا اس کو جائز ہے۔

۲۶ **مُصْمِتَةٌ** یعنی جن حروف کی ادائیگی میں سرعت مطلوب نہ ہو اور مخرج میں وسعت ہو۔ ان کی ادائیگی میں ٹھوس پن ہو جس کی وجہ سے وہ بھاری ہوں۔ اصمات کے لغت میں دو معنی ہیں خاموش کرنا اور مانع ہونا۔ حروف مصمتہ تیئس ہیں جن کا مجموعہ **جُزْ غَشَّ سَاخِطٍ صَدَّ ثِقَةً اِذْ وَعْظُهُ يَحُضُّكَ** یعنی اس غصہ کرنے والے کے دھوکے سے درگزر کر جو نیک آدمی کو روکے کیونکہ اس کو نصیحت تجھے خیر پر آمادہ کرے گی۔

(۲۱) مَهْمُوْسُهَا فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ
شَدِيْدُهَا لَفْظُ اَجِدْ قَطٍ بَكَتْ

ت : حروف مہموسہ فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ ہیں حروف شدیدہ اَجِدْ قَطٍ بَكَتَ کے الفاظ میں ہیں۔

ش : حروف مہموسہ دس ہیں جن کا مجموعہ فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ ہے ان کے ماسوا باقی سب حروف مجہورہ ہیں۔ ھمس کے معنی ہیں دبی ہوئی اور نرم آواز ان حروف کا نام مہموسہ ان کی اسی کمزوری کے سبب رکھا گیا ہے۔ اس واسطے کہ ان کے مخرج پر سانس کمزوری کے ساتھ نکلتی ہے اور ان کے نکلنے کے وقت ان حروف کے ساتھ شروع سے سانس جاری رہتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بدن سہلاتا ہے۔ مہموسہ مجہورہ کی ضد ہے۔ ۲۷

ساتویں صفت شدت ہے جو آٹھ حروف میں پائی جاتی ہے جن کا مجموعہ اَجِدْ قَطٍ بَكَتَ ہے۔ شدیدہ کے معنی سختی کے ہیں اور یہ نام انہیں اس واسطے دیا گیا ہے کہ یہ حروف سکون اور ادغام کی حالت میں اپنے مخرج پر خوب سختی سے لگے رہتے ہیں اور سانس کو جاری ہونے سے مانع ہوتے ہیں ان کے ساتھ سانس جاری نہیں ہوتی یعنی ان کی آواز نہیں نکلتی بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہے۔ ۲۸ اس سے معلوم ہوا کہ وقف کی حالت میں ان حروف میں سانس بند ہونا شرط نہیں

۲۷ ھمس کے معنی ''پست آواز'' کے ہیں ملا علی قاری فرماتے ہیں **والھمس صوت خفي يشبه صوت اخفاف الابل اذا سارت فوق الرمل** یعنی ھمس ایسی پست آواز کو کہتے ہیں جو اونٹوں کے ریت پر چلنے میں قدموں کی آواز سے مشابہ ہو اور اصطلاحی مطلب یہ ہے کہ آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ سانس بھی جاری رہے یعنی سانس پوری طرح آواز میں تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ آواز میں ضعف ہوتا ہے بلکہ وہ کچھ اپنی غیر مسموعی کیفیت پر بھی رہتا ہے۔

۲۸ شدت کے معنی سختی اور مضبوطی کے ہیں اور اصطلاحی مطلب یہ ہے کہ حروف کی ادائیگی میں آواز کو مخرج پر اتنا کامل اور قوی اعتماد ہو کہ آواز بند ہو جائے۔ آواز کا یہ بند ہونا حرف کے ساکن ہونے کے وقت صاف واضح طور پر معلوم ہوتا ہے مثلاً اَجْ ۔ اَتْ ۔ اَقْ ۔ اَطْ ۔ اَبْ ۔ اَکْ ۔ اَدْ ۔ اَءْ وغیرہ۔

ہےاسی وجہ سے هَيْتَ لَكَ اور عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ جیسےکلمات میں وقف کی حالت میں سانس جاری رہتا ہے میں نے اپنے استاذ الشیخ سید محمد اسکندرانی نوراللہ مرقدہ سے اسی طرح سنا ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ مجہورہ اور شدیدہ دونوں کا مطلب سانس کو جاری ہونے سے مانع کرنا ہےتو یہ دونوں تو ایک ہی ہوئے دوصفات تو نہ ہوئیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجہورہ میں سانس شروع میں بند ہوکر جاری ہوتی ہےاور آواز بلند نکلتی ہےاوراس آواز میں شدت نہیں ہوتی جبکہ شدیدہ حروف کی اداء میں اس کی آواز میں ایک سختی ہوتی ہےاور جب اس کو ساکن پڑھتے ہیں تب سانس اس کے مخرج پر پہنچ کر بالکل موقوف ہوجاتی ہےاور بالکل جاری نہیں ہوتی اوراس کی آواز اسی مقام پرٹھہری رہتی ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ آٹھوں حروف شدیدہ میں سے جو چھ حروف الف جیم دال قاف طاءاور باءان میں باوجود بلندی آواز کےسختی بھی شروع سے موجود ہےاور صفت خاص اس کی کہ حالت سکون میں سانس کااس کےمخرج پرپہنچ کر بند ہوجانا ہے پس یہ بھی انتہا میں حالت سکون اورادغام میں موجود ہے لہٰذا یہ چھ حروف مجہورہ شدیدہ کہلائیں گے اور بقایا دوحرف یعنی کاف اور تاء جو مہموسہ ہیں سوان میں باوجود صفت ھمس کےیعنی آواز کی پستی کےشدت آواز شروع سےموجود ہےاور شدیدہ کی صفت خاص کہ سانس کا بند ہوجانا یہ آخر میں حالت سکون اورادغام میں موجود ہےپس یہ دونوں حروف یعنی کاف اورتاءمہموسہ شدیدہ کہلائیں گے۔

حروف شدیدہ میں جوسکون اورادغام کی حالت میں سانس بند ہوجاتی ہےاس کوسمجھانے کے واسطے کچھ کلمات لکھتا ہوں۔

امثلہ حالت سکون: قَالَ الْمَلِكُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ فِتْيَةٌ۔ يَجْتَبِيْكَ۔ لَا تَدْخُلُوْا۔ اَوِ اطْرَحُوْهُ۔ اَلْحِقْنِيْ۔ اَكْثَرَ النَّاسِ وغیرہ۔

امثلہ حالت ادغام: فِيْ غَيَابَةِ الْجُبِّ۔ حَتّٰى۔ حِجُّ الْبَيْتِ۔

وَادَّكَرَ- وَلْيَتَلَطَّفْ- حَقًّا- فَذَكِّرْ وغیرہ۔

ان سب کلمات میں خیال رہے کہ سکون حرف مشددہ کا خوب ادا ہو اور سکون کے موقع پر حرف متحرک نہ ہونے پائے۔

پھر اگر کسی کو شبہ ہو کہ آٹھوں حروف شدیدہ میں سے صفت قلقلہ والے پانچوں حروف میں سکون کی حالت میں سانس جاری رہتا ہے تو یہ پانچوں حروف شدیدہ کس طرح ادا ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حروف قلقلہ میں بھی سختی آواز کی لازم اور موجود ہے اور اگر قلقلہ کی صفت کے آجانے کے سبب سے سانس جاری ہونا سمجھا جائے تو کیا مضائقہ ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ سانس کا جاری ہونا نہیں ہے بلکہ وہ مخرج کی جنبش ہے کہ مخرج ہلتا ہے اور ذرا سی آواز سنائی دیتی ہے۔ ۲۹ تو ان حرفوں کو حروف شدیدہ اور حروف مقلقلہ کہیں گے اور ایک حرف میں کئی صفات کا جمع ہونا درست ہے مگر جو صفات آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہے۔ (یعنی صفات لازمہ متضادہ) وہ ایک ہی حرف میں جمع نہیں ہوسکتیں جس طرح جہر کی ضد ھمس رخاوت کی ضد شدت وعلی ہذا القیاس جیسا کہ ہم اس سے قبل بھی ذکر کر آئے اور آگے بھی انشاء اللہ تعالیٰ مزید ذکر آئے گا۔

پس یاد رکھو کہ جہر اور ھمس ایسے ہی رخاوت اور شدت ایک ساتھ (ایک حرف میں) جمع نہیں ہوسکتی ہیں مگر جہر اور شدت، ھمس اور شدت، جہر اور رخاوت اور ھمس اور رخاوت ایک حرف میں مجتمع ہوتے ہیں۔

پھر اگر کسی کو شبہ ہو کہ کاف اور تاء میں جب سانس بند ہو تب یہ دونوں مھموسہ نہ رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کاف اور تاء میں حرکت اور وقف کی حالت میں اس کی اصل صفت تو ھمس ہے اور عارضی یعنی غیر مستقل صفت جو آواز کی سختی ہے موجود ہے اور شدت کی صفت کے غالب آجانے

۲۹ بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ قلقلہ کے معنی حرکت کے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ خلیل بن احمد فراھیدیؒ نے کہا ہے کہ قلقلہ کے معنی ہیں زور سے چیخنا اور لقلقلہ کے معنی ہیں زور سے آواز بلند کرنا بلکہ صحیح یہ ہے کہ قلقلہ کے وقت تحرک کے مشابہ حالت ہوتی ہے جو بطور لزوم کے پیدا ہوتی ہے۔

کی وجہ سے جو سکون اور ادغام کی حالت میں سانس موقوف ہو جاتا ہے سو یہ موقوف ہونا بھی علامتی ہے اور اس علامتی طور پر اس کے پیدا ہونے سے صفات لازمہ ختم نہیں ہوتی ہیں پس کاف اور تاء کو مہموسہ شدیدہ کہیں گے ۳۰ اور شدیدہ کی ضد رخوہ ہے ان آٹھ حروف شدیدہ کے علاوہ بقایا سب رخوہ ہیں۔

(۲۲) وَبَيْنَ رِخْوٍ وَّ الشَّدِيْدِ لِنْ عُمَرْ
وَسَبْعُ عُلْوٍ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرْ

ت : اور حروف رخوہ اور شدیدہ کے درمیان لِنْ عُمَرْ کے پانچ حروف اور سات حروف مستعلیہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں جمع ہیں۔

ش : اور حروف متوسطہ جو صفت رخوت اور صفت شدت کے مابین ہیں پانچ حروف ہیں جن کا مجموعہ "لِنْ عُمَرْ" ہے۔ یہ حرف نہ تو مکمل طور پر شدیدہ ہیں اور نہ حروف رخوہ یعنی ان

---

۳۰ حضرت شارح کا مفہوم یہ ہے کہ کاف اور تاء مہموسہ و شدیدہ ہیں یعنی ھمس کی وجہ سے ان میں سانس جاری ہوگا اور شدت کی وجہ سے آواز بند ہوگی آواز اور سانس میں بظاہر لزوم معلوم ہوتا ہے لہٰذا ایک ہی وقت میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آواز بند بھی ہو اور سانس جاری بھی رہے اگر سانس جاری ہوگا تو آواز بند ہوگی اور اگر سانس بند ہو تو آواز جاری ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سانس دراصل طبعی طور پر پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی وہ ہوا ہے جو بغیر آواز کے ہوتی ہے آدمی خاموش ہو تب بھی سانس لے رہا ہوتا ہے جبکہ سانس کو آواز میں منتقل کرنا دوسرا مرحلہ ہے اور یہ ارادہ سے ہوتا ہے لہٰذا کاف اور تاء میں شدت کی وجہ سے اگر آواز بند ہوتی ہے تو یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ سانس بھی بند ہو کیونکہ سانس عام ہے اور آواز خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی لہٰذا ایک وقت شدت اور ھمس دو صفات کا ایک حرف میں جمع ہونا ممکن ہے اور حضرت شارح کا یہ فرمانا کہ ایک حرف میں ھمس اور شدت کا مجتمع ہونا ممکن نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں صفتیں بیک وقت ایک حرف میں نہیں پائی جاتی بلکہ آگے پیچھے کہ جیسے ان دونوں حروف میں پہلے شدت اور پھر ھمس کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے۔

پانچوں حروف میں سکون کی حالت میں ایک طرح کا سانس کا جاری رہنا اور ایک طرح پر بند ہونا اس خاکسار نے اچھی طرح آزمایا ہے پس اَلْ - اَنْ - اَعْ - اَمْ - اَرْ وغیرہ کو ادا کرتے وقت جو راقم نے غور کیا تو ان حروف کی ادائیگی میں جب آواز کو بند پایا اور بعد ازاں آواز جاری رہتی ہے [۳۱] اور ان پانچ حروف کے سواء باقی حروف میں یا تو شدت ہے یا رخاوت۔

سات حروف استعلاء ہیں جن کا مجموعہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہے اور استعلاء ان کا نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ ان کو ادا کرتے وقت زبان اوپر تالو کی طرف بلند ہوتی ہے اور حروف مستعلیہ کی ضد مستفلہ ہے جو ان سات حروف کے ماسواء بقایا بائیس حروف ہیں۔[۳۲]

(۲۳) وَصَادُ ضَادُ طَآءُ ظَآءٌ مُّطْبَقَهْ
وَفِرَّ مِنْ لُّبِّ الْحُرُوفُ الْمُذْلِقَهْ

ت : اور صاد ضاد طا ظا حروف مطبقہ ہیں اور فِرَّ مِنْ لُبِّ حروف مذلقہ ہیں۔

ش : اور صاد مہملہ ضاد معجمہ طاء مہملہ ظاء معجمہ حروف مطبقہ ہیں اطباق کے معنی ہیں ڈھانپنا اور لپٹنا۔ ان حروف کو مطبقہ اس لیئے کہتے ہیں کہ ان کو ادا کرتے وقت زبان کا درمیانی حصہ اوپر اٹھ کر تالو سے لپٹتا ہے اور مطبقہ حروف کو استعلاء لازم ہے یعنی زبان کا بلند ہونا مگر مستعلیہ حروف کی ادائیگی میں زبان تالو سے لپٹتی نہیں ہے پس خاء غین اور قاف کی ادائیگی میں زبان تالو کی طرف بلند تو ہوتی ہے مگر تالو سے لپٹتی نہیں ہے جبکہ ان چار حروف مطبقہ میں زبان تالو کی طرف بلند ہو کر اس سے لپٹ جاتی ہے۔

---

[۳۱] لِنْ عُمَرْ کے پانچ حروف متوسطہ ہے یعنی شدیدہ اور رخوہ کے درمیان درمیان یعنی نہ تو مکمل طور پر شدیدہ ہیں ان حروف میں آواز کا انقطاع اپنے مخرج میں شروع میں نہایت مضبوطی سے ہوتا ہے پھر زبان مخرج کی جگہ سے جدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ آواز جاری رہتی ہے۔

[۳۲] استعلاء کے معنی ارتفاع اور بلندی کے ہیں اصطلاح میں حرف کی ادائیگی کے وقت زبان کا حنک اعلیٰ یعنی منہ کے غار کی طرف بلند ہونا ہے۔

مطبقہ کی ضد منفتحہ جو کہ پچیس حروف ہیں ان کا بیان گزر چکا ہے۔

اور چھ حروف مذلقہ ہیں جن کا مجموعہ فَرَّ مَنْ لَبَّ ہے۔ان کا نام مذلقہ اس واسطے ہے کہ ذلق کے معنی کنارہ ہے اور مذلقہ کے معنی کنارے سے نکلنے والے حروف ہے پس ان میں سے تین حروف میم باء فا تو شفویہ ہیں جو ہونٹوں کے کنارے سے نکلتے ہیں اور بقایا تین حروف یعنی راء نون اور لام کنارہ زبان سے نکلتے ہیں۔

فصول اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف مذلقہ سے وہ حروف مراد ہیں جو نہایت سرعت اور تیزی سے ادا ہوتے ہیں مذلقہ کی ضد مصمتہ ہے جو تیئس حروف ہیں جن کا بیان ہو چکا۔ مذلقہ کی مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ کے ادا کرتے ہوئے سرعت اور تیزی نہیں ہوتی یعنی زبان پر ایک ثقل یا بوجھ ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے وہ جلدی اور سرعت سے ادا نہیں ہوتے۔

اب آگے صفات لازمہ کی دوسری قسم (یعنی صفات لازمہ غیر متضادہ) کا بیان ہے جو بعض حروف کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(۲۴) صَفِیْرُ هَا صَادٌ وَّزَایٌ سِیْنُ
قَلْقَلَةٌ قُطْبُ جَدٍّ وَّ اللِّیْنُ

ت : ان حروف میں سے صفت صفیر والے صاد اور زاء اور سین ہیں صفت قلقلہ والے قُطْبُ جَدْ ہیں اور صفت لین والے۔

ش : صفیر کے حروف تین ہیں صاد مہملہ۔زاء معجمہ سین مہملہ صفیر کہتے ہیں چڑیا کی آواز کو اور یہاں چڑیا سے مراد کنجشک ہے (اس پرندے کو عربی میں ''صافر'' کہتے ہیں چونکہ ان حروف کی ادا کے وقت ایک آواز تیز باریک سیٹی کی مانند) چڑیا کی طرح سنائی دیتی ہے اس لئے ان حروف کو حروف صفیر کہتے ہیں۔

صفات لازمہ غیر متضادہ میں دوسری صفت قلقلہ ہے جس کے حروف پانچ ہیں اور جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدْ ہے ان کو حروف قلقلہ (یا لَقْلَقَہْ) کہتے ہیں اس لئے کہ ان کو ادا کرتے

وقت ان کے مخرج میں جنبش سی ہوتی ہے جو سکون غیر وقفی کی حالت میں کم اور سکون وقفی کی حالت میں زیادہ نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

قلقلہ کی حقیقت یہ ہے کہ حرف قلقلہ کو ادا کرتے وقت وقف اور سکون کی حالت میں آواز بند ہو جاتی ہے لہٰذا ایک گونہ تکلف سے ان حرفوں کی آواز کو نکالنا پڑتا ہے۔ یعنی سکون کے وقت مخرج میں آواز کو دبا کر نکالا جاتا ہے اسی آواز سے حرف کی پہچان ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو حرف کی آواز بالکل ختم ہو جائے اسی کو جنبش دینا کہہ دیتے ہیں۔ جنبش سے کوئی حرکت دینا مراد نہیں ہوتا ہے بلکہ جنبش میں فتحہ کی بو سی معلوم ہوتی ہے زیر یا پیش کی نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مشاق اور ماہر استاذ سے سننے پر موقوف ہے اور تب ہی صحیح ادائیگی پر قادر ہوا جاسکتا ہے۔

اور لین ہے۔

(۲۵) وَاوٌ وَّ يَــاءٌ سَــكَــنَــا وَ انْــفَــتَــحَــا
قَبْــلَــهُــمَــا وَالِانْــحِــرَافُ صُــحِّــحَــا

ت : (اور صفت لین والے حروف) واؤ اور یاء ساکن ہوں ان کا ماقبل مفتوح ہو اور صفت انحراف صحیح قرار دی گئی ہے۔

(۲۶) فِــي الــلَّامِ وَالــرَّا وَ بِتَــكْــرِيْــرٍ جُــعِــلْ
وَلِــلتَّــفَشِّــي الشِّيْــنُ ضَــادَ نِ اسْتَــطِــلْ

ت : لام اور راء میں۔ راء صفت تکریر کے ساتھ متصف کی گئی ہے اور صفت تفشی کے لئے شین مخصوص ہے اور ضاد میں صفت استطالت ادا کر۔

ش : واؤ اور یاء ساکن ہو اور ان سے پہلے کا حرف مفتوح ہو تب ان کو لین کہتے ہیں جس طرح یَوْمٌ، بَیْتِ وغیرہ لین اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ دونوں زبان پر بغیر مشقت کے بڑی نرمی سے جاری ہوتے ہیں اور جب واؤ ساکن ہو اور اس کے ماقبل پیش ہو اسی طرح یاء ساکن ماقبل

کسرہ ہوتو تب ان دونوں کا نام مدہ ہوتا ہے اور ماقبل یاء ساکن کے ضمہ نہیں آتا اور جب دونوں متحرک ہوں تو ان کا علیحدہ کوئی نام مقرر نہیں ہے۔

اوران صفات (لازمہ غیر متضادہ) میں انحراف یعنی زبان کا پلٹنا (یا مائل ہونا) یہ بھی صحیح قرار دی گئی ہے لام اور راء میں۔ اور یہ دونوں حروف منحرفہ کہلاتے ہیں اس وجہ سے کہ لام کو ادا کرتے وقت طرف لسان کی طرف میلان ہوتا ہے اور راء کو ادا کرتے وقت ظہر لسان کی طرف میلان ہوتا ہے اور لام کے مخرج کی طرف پلٹتی ہے۔ اسی سبب سے تو تلا آدمی راء کو لام کہتا ہے۔

اوران صفات (لازمہ غیر متضادہ) میں صفت تکریر بھی ہے۔

یعنی آواز کا دہرایا مکرر ہونا راء مہملہ میں تکریر کی صفت ہوتی ہے جیسے انحراف اس کی صفت ہے ایسے ہی تکریر بھی اس کی صفت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ راء تکرار کو قبول کرتی ہے اور اس کی دہری آواز نکالنی چاہیے اس وجہ سے کہ اس کو ادا کرتے وقت زبان کا کنارہ اوپر کو بلند ہوتا ہے مگر یہاں حضرت مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ قاری مستعد ہو اور راء کی دہری آواز ہونے سے بچے۔ اس واسطے کہ راء کی دہری آواز نکالنا خطا اور غلطی ہے۔

دہری آواز کی شناخت یہ ہے کہ جیسے بکری کو ہندوستان والے بلاتے ہیں ''اُرّ'' اس میں دہری آواز واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔

حضرات مجودین نے فرمایا ہے کہ قاری پر واجب ہے کہ راء کی تکریر یعنی دہری آواز کو نکالنے سے بچے کیونکہ جب دہری آواز نکالے گا تو جہاں تشدید نہ ہوگی وہاں ایک راء کی بجائے دو راء ادا ہوں گی جیسے اَكْبَــرُ اور جہاں تشدید ہوگی وہاں راء کی دو سے بھی زیادہ آوازیں نکلیں گی جیسے اَلرَّحْمٰنُ اور یہ خطا اور غلطی ہے جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔

اوران صفات (لازمہ غیر متضادہ) میں تفشی بھی ہے تفشی کے معنی کشادگی اور پھیلاؤ کے ہیں اور تفشی صرف ایک حرف شین معجمہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ شین کو حرف تفشی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ادا کے وقت آواز منہ میں پھیل جاتی ہے۔

اوران صفات (غیر متضادہ) میں سے استطالت بھی ہے جس کے معنی دراز ہونا ہے یہ حرف ضاد کے ساتھ مخصوص ہے اسی وجہ سے حرف ضاد کو مستطیل کہتے ہیں کیونکہ مخرج سے ادا کرتے وقت اس کی درازی ظاہر ہوتی ہے جو کہ حرف لام تک پہنچ جاتی ہے۔

مستطیل یعنی دراز حرف اور ممدود یعنی مدہ والے حرف میں یہ فرق ہے کہ حرف مستطیل اپنے مخرج میں جاری ہوتا ہے اور یہ درازی اس کے مخرج میں آواز کو بتدریج ہوتی ہے کہ حافہ زبان پانچ داڑھوں کو بتدریج لگتا ہے جس سے آواز میں درازی ہوتی ہے اور مد والا حرف سانس میں دراز ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ بات علم میں ہونی چاہیے کہ جس قدر حروف ہیں ان میں ہر حرف بہت سی صفات کا حامل ہوتا ہے اور اوپر جیسا کہ صفات کا بیان مذکور ہوا ان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ کس حرف میں کس قدر صفات ہیں۔

پھر ان صفات میں بعض قوی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) جہر (۲) شدت (۳) اطباق (۴) استعلاء (۵) اصمات (۶) استطالت (۷) قلقلہ (۸) صفیر (۹) تفشی (۱۰) انحراف (۱۱) تکریر۔

پس جس حرف میں یہ صفات ہوں گی وہ حرف بڑی قوت والا اور قوی حرف ہوگا اور صفات میں بعض صفات ضعیف ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) ھمس (۲) رخوت (۳) انفتاح (۴) استفال (۵) ازلاق پس جس حرف میں یہ صفات ہوں گی وہ حرف ضعیف ہے اور جس حرف میں قوی وضعیف دونوں طرح کی صفات ہوں گی وہ متوسط ہے۔

طاء مہملہ ایسا حرف ہے کہ جس میں تمام صفات قوی ہیں یعنی جہر' شدت' استعلا' اطباق' قلقلہ اور اصمات پس یہ اقوی حرف ہے اور بعض حرف ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی تمام صفات ضعیف ہوتی ہیں جیسے ھاء کہ اس میں ھمس' رخوت' استفال اور انفتاح کی صفات ہیں صرف ایک صفت

اصمات قوی ہے۔

ایسے ہی اس کا مخرج بھی دور ہے اور یاد رکھو کہ مخرج کی دوری بھی حرف کی کمزوری کا سبب ہے جیسے مخرج کا نزدیک ہونا قوت کا باعث ہے پس ھا اضعف اور حرف خفی ہے۔

اور ہمزہ میں جہر اور شدت قوی صفات ہیں اور انفتاح اور استفال ضعیف ہیں چونکہ اس میں قوی اور ضعیف صفات برابر ہیں لہٰذا ہمزہ متوسط حروف میں شمار ہوگا۔

متوسط حروف میں بھی باہم فرق ہے جیسے ہمزہ متوسط حرف ہے اور باء بھی متوسط ہے مگر باء ہمزہ سے قوی ہے اس لئے کہ اس میں صفت قلقلہ پائی جاتی ہے اور مخرج کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اگرچہ جہر اور شدت قوی اور استفال اور انفتاح ضعیف صفات کی بدولت ہمزہ کی مانند متوسط ہوئی مگر صفت قلقلہ کی وجہ سے ہمزہ سے قوی ہے۔

ان صفات کے احکام اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب تجوید پر عمل کیا جاتا ہے پس یہ بات ذہن نشین کرلو کہ قوی حرف کی آواز میں لازماً تقویت اور شدت یعنی زور والی اور سخت ہوگی جبکہ ضعیف حرف کی آواز میں نرمی اور باریکی ہوگی۔

حروف مخفی یعنی پوشیدہ میں حرف ہاء ہے۔ ان حروف مخفی میں ضروری ہے کہ آواز کو ظاہر کرنے میں ایک گونہ تکلف کر کے اس کی آواز کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ ھاء کی آواز ختم نہ ہو جائے [۳۳] اور مزید تفصیل تجوید کی تعریف واحکام کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔

اب ہم آگے جدول کے ذریعے صفات حروف کو بیان کرتے ہیں تاکہ پہچان اور یاد کرنے میں آسانی ہو اور معلوم ہو سکے کہ ہر حرف میں کتنی صفات ہیں۔ ان صفات کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صفات حروف کے مجموعے اپنے ذہن میں بٹھا لے اور اس کی اضداد کو بھی ذہن میں رکھے مثلاً حروف مہموسہ کا مجموعہ فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ ہے لہٰذا لازمی امر ہے کہ ان دس حروف

---

[۳۳] خَـفَـاء کے لغوی معنی چھپانا اور اصطلاح میں پوشیدہ اور نرم ہونا ہے حروف خفاء چار ہیں جن کا مجموعہ هَاوِيْ ہے یعنی ھاء اور تین حروف مدہ۔

کے علاوہ بقایا حروف مجہورہ ہیں۔ وعلی ہذا القیاس جبکہ صفات لازمہ غیر متضادہ کہ جن کی اضداد نہیں جیسے صفیر قلقلہ وغیرہ تو ان کو بھی یاد کرے۔

نقشہ صفات حروف

ا	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	جوفیہ [۳۴]	مدہ [۳۵]	ہوائیہ [۳۶]
ء	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ہ	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ع	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ح	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
غ	مجہورہ	رخوہ	مستعلیہ	منفتحہ	مصمتہ			
خ	مہموسہ	رخوہ	مستعلیہ	منفتحہ	مصمتہ			
ق	مجہورہ	شدیدہ	مستعلیہ	منفتحہ	مصمتہ	قلقلہ		
ک	مہموسہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ج	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	قلقلہ		
ش	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	تفشی		
ی	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	مدہ	لین	

۳۴ جوفیہ اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جوف دھن سے ادا ہوتا ہے۔

۳۵ حروف کے ادا ہونے میں آواز میں نرمی اور درازی پیدا ہونا اس صفت مدہ کے حامل تین حروف مدہ ہیں جن کا مجموعہ وَایٌ ہے اس کی ضد قصر ہے جو بقایا حروف میں پائی جاتی ہے۔

۳۶ آواز کا خلا دھن میں وسیع ہونا یہ صفت صرف الف میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے اس صفت کا نام ہوا اور اس کے حامل حرف کو ہوائیہ کہتے ہیں۔

ض	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	مطبقہ	مصمتہ	مستطیلہ		
ل	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	منحرفہ		
ن	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	حرف غنہ[۳۷]		
ر	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	منحرفہ	مکررہ	
ط	مجہورہ	شدیدہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ	قلقلہ		
د	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	قلقلہ		
ت	مہموسہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ص	مہموسہ	رخوہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ	صفیرہ		
س	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	صفیرہ		
ز	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	صفیرہ		
ظ	مجہورہ	رخوہ	مستعلیہ	مطبقہ	مصمتہ			
ذ	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ث	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ			
ف	مہموسہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ			
و	مجہورہ	رخوہ	مستفلہ	منفتحہ	مصمتہ	مدہ	لین	
ب	مجہورہ	شدیدہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ	قلقلہ		
م	مجہورہ	متوسطہ	مستفلہ	منفتحہ	مذلقہ			

اب جاننا چاہیے کہ صفات مشہورہ میں سے جن کو تجوید میں بڑا دخل ہے اور جو تجوید کی تمام

۳۷ خیشوم سے آواز کا نکلنا۔ غنہ نون و میم کی صفت لازمہ ہے جو ان حروف میں ہر وقت موجود ہوتی ہے۔

کتب میں مذکور ہیں ان کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم صفات لازمہ متضادہ جو اپنی اضداد کے ساتھ تمام حروف کو شامل ہے اور یہ دس صفات ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ دوسری قسم صفات لازمہ غیر متضادہ یعنی وہ صفات جو بعض حروف کے ساتھ خاص ہیں ان کا بیان بھی گزر چکا ہے۔ یاددہانی کے واسطے یہاں دوبارہ بیان کی جاتی ہیں۔ صفات لازمہ غیر متضادہ سات ہیں۔

(۱) صفت صفیر: یہ تین حروف صاد مہملہ۔ زای معجمہ اور سین مہملہ ہیں۔

(۲) صفت قلقلہ: اس کے حروف کا مجموعہ قُطْبُ جَدٌ ہے۔

(۳) صفت لین: واؤ اور یاء ساکن ماقبل مفتوح۔

(۴) صفت انحراف: لام اور راء مہملہ

(۵) صفت تکریر: راء مہملہ

(۶) صفت تفشی: شین معجمہ

(۷) صفت استطالت: ضاد معجمہ

اب حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ مخارج اور صفات سے فارغ ہو کر تجوید کے واجب ہونے کی دلیل اور تجوید کے معنی کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔

بَابُ مَعْرِفَةِ التَّجْوِيْدِ

تجوید کے معنی اور اسکے واجب ہونے کی دلیل روشن کے بیان میں

(۲۷) وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ
مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ آثِمُ

ت: اور تجوید کے مطابق عمل (تلاوت میں) ضروری اور لازم ہے جو شخص قواعد تجوید سے

قرآن نہ پڑھے گا گناہ گار ہے۔

ش : تجوید کا سیکھنا' اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب و لازم ہے۔ اب تجوید کیا چیز ہے اس کا بیان سنو۔

اس کا اسم مجرد جَوْدَتٌ سے ہے بمعنی نیکی اور تجوید اصل میں مصدر ہے اس کے معنی نیک اور بھلا کرنا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو بہت ہی خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ لاتا ہے اور بیان کرتا ہے اور اس کے خوبصورت کرنے میں حد سے زیادہ کوشش کرتا ہے ایسے موقع پر کہا جاتا ہے جَوَّدَ الشَّیْئَ یعنی بڑی خوبی اور خوبصورتی والی چیز لایا اور اس کو صحیح اور خوبصورت کرنے میں بڑی کوشش کی اسی معنی کو مدنظر رکھ کر کہتے ہیں تَجْوِیْدُ الْقِرَآءَ ةِ یعنی تلاوت قرآن کو سنوارنا اور خوبصورتی لطافت اور خوش زبانی کے ساتھ تلاوت کرنا اور صحیح تلاوت یہ کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔

تجوید کی تعریف اور پہچان یہ بیان کی گئی ہے کہ حروف کو اِن کے مخارج سے نکالنا اور ان حروف کو ان کا صحیح مقام اور حق دینا۔

اور حق دینے سے مراد یہ ہے کہ اس حرف کی صفات لازمہ جیسے ھمس' جہر شدت اور رخوت وغیرہ صحیح طور پر ادا کرنا اور وہ حروف جن امور کے مستحق ہیں وہ حق ان کا دینا جیسے حاء مفتوح کے ساتھ جو چیزیں اس کی صحیح ادا میں اس کو لاحق ہوتی ہیں یعنی ان صفات کے سبب سے جو احوال ان حروف کے واسطے ہیں سو وہ احوال ان حروف کو دینا یعنی ان احوال کی رعایت کرنا مثلاً حروف مستفلہ میں استفال کی وجہ سے احوال ترقیق یعنی باریک پڑھنا ہے اور حروف مستعلیہ میں استعلاء کی وجہ سے احوال تفخیم یعنی پر پڑھنے کا اس حرف کے واسطے ضروری ہے پس حروف مستفلہ میں احوال ترقیق کی رعایت اور حروف مستعلیہ میں احوال تفخیم کی رعایت کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ھمس اور شدت وغیرہ صفات ذاتی اور لازمی ہیں حروف کے لئے جبکہ ترقیق تفخیم عارضی صفات ہیں یہ صفات ذاتیہ کی بناء پر حروف میں پیدا ہوتی ہیں یہ صفات عارضہ کہلاتی

ہیں ان کو حال اور واردات کے طور پر کہی جا سکتی ہیں حال اور واردات اس بات کو کہتے ہیں کہ کسی شخص پر ایک حالت وارد ہو جیسے غصہ اور خوشی کے وقت آدمی کا مزاج اور چہرہ اور رنگ بدل جاتا ہے پس یہ حال اس شخص کی صفت عارضی ہے۔

اور زندگی بات کرنا سننا دیکھنا وغیرہ صفات ذاتیہ ہیں صفات ذاتیہ اور عارضہ کی رعایت کرنے سے ہی حروف کا حق ادا ہوتا ہے۔

وہ حروف اپنے مخارج سے جیسا کہ ادا ہونے چاہئیں ویسے پورے پورے ادا ہوں اور یہ صفات اور احوال ان حرفوں میں دونوں اکٹھے موجود ہوں اور ان حروف کا حق ادا کرنا اور اس کے احوال کی نگہبانی کرنا ہر مقام میں ہوا ایسا نہ ہو کہ بعض مقام میں تجوید کا حق ادا کرے اور اس کے احوال کی نگہبانی کرے اور بعض مقام پر غفلت کرے اور ان حروف کو مہمل اور نکما چھوڑ دے اور اس حق کا ادا کرنا بغیر تکلف کے پاکیزگی اور نزاکت اور شیریں زبانی کے ساتھ ہو کہ تجوید ترک نہ ہونے پائے اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

باب معرفۃ التجوید میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنی ابیات میں تجوید کے متعلق بیان کریں گے اور ہم نے جو کچھ تجوید کا تفصیلی بیان پہلے کر دیا ہے اس کا فائدہ یہی ہے کہ اس کے سمجھنے کے بعد ان ابیات میں بیان کردہ مضمون بہت اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا۔

حضرات قراء کرام نے فرمایا ہے کہ قرآءت سفیدی کی مانند ہے پس اگر کم ہو تو گندم گوں ہو جائے اور اگر زیادہ ہو جائے تو برص یعنی سفید کوڑھ ہو جائے۔

تلاوت کے تین مراتب

ترتیل: تجوید کے تین مراتب ہیں پہلا مرتبہ تجوید کا علی التحقیق ہے اور اس کو ترتیل کہتے ہیں اور ترتیل کا مطلب ہے آہستگی کے ساتھ خوب ٹھہر ٹھہر کے قرآءت کرنا یہ ترتیل کہلاتا ہے اور یہ ورش، امام عاصم اور امام حمزہ کا مذہب ہے یعنی ان ائمہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہ افضل اور اکمل ہے اور اس سبب سے کہ یہ مرتبہ ظاہر نصوص یعنی کھلی کھلی آیت حدیث کے ظاہری معنی کے ساتھ موافق

ہےاور ترتیل کا مطلب ہے حرف کو اس کا حق دینا اور حق یہ ہے کہ اشباع یعنی حرف کو پورا ادا کرنا اور مد اور تشدید اور حرکات اور سکنات کو پورا ادا کرنا اور حروف کو ظاہر کرنا اور اس کی صفات کو پوری طرح ادا کرنا اور ہر حرف کو دوسرے حرف سے جدا کرنا اور اس کو خوب واضح اور ظاہر کر کے پڑھنا کہ ایک حرف سے دوسرا اصاف جدا معلوم ہو اور وقف کے جو مراتب ہیں ان کے پورے اور اتم ادا کرنے میں نہایت احتیاط اور محنت سے کام لینا کہ سانس بخوبی پورا ہو اور صحیح طور پر سانس نہ لینا اور وقف کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر کے افراط کی حدود میں داخل ہونا اور افراط سے مراد یہ ہے کہ قواعد کلیہ سے باہر نکل جانا کیونکہ وقف کی حالت میں جس قدر مد کی حد اور اندازہ مقرر ہے اس سے زیادہ کھینچا اسے "تَمۡطِیۡطُ" کہتے ہیں جو تجوید کے قواعد سے باہر ہونا ہے تَمۡطِیۡطُ کے معنی ہیں۔ بہت کھینچنا یا کھینچنے میں مبالغہ کرنا۔ ۳۸

حدر: تجوید کا دوسرا مرتبہ حدر ہے اور حدر سے مراد ہے روانی سے تیزی کے ساتھ تجوید کے قواعد کو مدنظر رکھ کر تلاوت کرنا۔ اس حدر کو امام ابن کثیر مکی اور امام ابوعمرو بصری اور قالون نے اختیار فرمایا ہے۔

اور یہ حدر ادراج قرآءت کو کہتے ہیں یعنی تلاوت میں تیزی کو اختیار کرنا اور تلاوت کو ہلکا پھلکا کرنا مگر قصر اختلاس ابدال ادغام کا خیال رکھنا اور اسی طرح دیگر قواعد تجوید کو مدنظر رکھتے ہوئے تیز تیز پڑھنا۔ تلاوت کے اس مرتبے کو اس غرض سے اختیار کیا جاتا ہے تا کہ تلاوت قرآن زیادہ ہو سکے اور قرآن زیادہ پڑھنے سے نیکیاں بھی زیادہ ملیں مگر یہ حدر اس وقت تک ہی درست ہے جب تک کہ قواعد تجوید میں کوتاہی نہ ہو اور اگر قواعد تجوید دوران تلاوت ادا نہ ہوئے تو یہ بجائے حدر کے "اومـــاج" ہوگا یعنی کوتاہی کرنا نقصان پہنچانا اور یہ بھی عیوب تلاوت میں سے ہے۔

۳۸ حضرت شارحؒ تلاوت کے مراتب بیان کرتے ہوئے عیوب تلاوت سے بھی مطلع فرمارہے ہیں یعنی تمطیط سے مراد یہ ہے حرکات کو ڈھیلا پڑھنا کہ اس سے حروف مدہ پیدا ہو جائیں اور موقوف علیہ سے پہلے حرف کی حرکت کو اس قدر کھینچنا کہ حرف مد پیدا ہو جائے۔ ایسے ہی حروف مدہ کو بلا سبب مد طبعی سے زیادہ کھینچنا اور مد فرعی وغیرہ کی مقدار میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ مقرر حد سے بڑھ جائے یہ سب افراط وتفریط تمطیط کہلاتی ہے۔

اوماج کے معنی ہیں کسی چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا یا پوشیدہ کرنا۔

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تلاوت میں عجلت کا مظاہرہ کرے گا تو لفظ اور حرف باہم آپس میں مل جائیں گے اور پورے طور پر ادا نہ ہوں گے اور ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آئیں گے۔

ہاں جو الفاظ باہم ملے ہوئے تو ہوں مگر قواعد تجوید کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح سے ادا ہوں کہ سننے والا ان کو بآسانی سمجھ لے تو یہ ٹھیک اور صحیح ہے۔

فائدہ: یہاں ہم نے جو قصر اختلاس اور ادغام وغیرہ کے الفاظ ذکر کیے ہیں یہ آگے چل کر بیان ہوں گے۔

تدویر: تجوید کا تیسرا مرتبہ تدویر کا ہے اور یہ ترتیل اور حدر کے درمیانی کیفیت کا نام ہے اس مرتبہ کو امام ابن عامر شامیؒ اور امام کسائیؒ نے اختیار فرمایا ہے۔

اور یہ جو تین مراتب کا بیان کیا گیا ہے وہ اس سبب سے ہے کہ ائمہ قراءات نے ان تین مراتب کو اختیار فرمایا اور یہ تین مراتب جو بیان ہوئے ان میں پہلے اور دوسرے مرتبہ یعنی ترتیل و حدر کے مابین تلاوت کے دوران کوئی جس قدر بھی مرتبہ اختیار کرے گا وہ سب انہی تین مراتب میں داخل ہوں گے۔ ۳۹

---

۳۹ پڑھنے کی رفتار کے تین طریقے مشہور ہیں ترتیل۔ تدویر۔ حدر لیکن محققین نے پانچ قسمیں کی ہیں: (۱) تحقیق یعنی پڑھنے میں بہت ہی صفائی اور ٹھہراؤ ہو (۲) اس سے ذرا رواں وہ ترتیل ہے (۳) اس سے ذرا رواں جیسا کہ جہری نمازوں میں پڑھا جاتا ہے یہ تدویر ہے۔ (۴) اس سے بھی رواں جس کو حدر کہتے ہیں جیسا بالعموم تراویح میں پڑھتے ہیں۔ (۵) اس سے بھی تیز جیسے کوئی منزل یاد کرتے ہوئے یا چلتے پھرتے آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو اس کو زمزمہ کہتے ہیں لیکن تجوید کا پایا جانا سب قسموں میں ضروری ہے۔ اس لیے علامہ سخاویؒ نے ان پانچوں قسموں کے بیان کے بعد فرمایا:

ولا بد فی هذه الانواع کلها من التجوید.

یعنی تمام قسموں میں تجوید کا ہونا ضروری ہے۔

کیونکہ **اومـاج** کے ماسوا جس طرح بھی تلاوت کرے گا یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھے گا یا تیز تیز پڑھے گا یہ سب تجوید کے مراتب میں داخل ہے۔

اب یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں تحریر ہے کہ ترتیل مستحب ہے اور وہ حضرات ترتیل کے معنی تجوید سمجھتے ہیں پھر جب یہ حضرات تجوید کی کتب ملاحظہ کرتے ہیں اور اس میں تجوید کو واجب کا حکم پاتے ہیں تو وہ ان دونوں مضامین میں اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

پس معلوم ہونا چاہیے کہ کتب فقہ میں جس ترتیل کا ذکر ہے وہ تجوید نہیں بلکہ مراتب تلاوت میں سے ایک مرتبہ ''ترتیل'' ہے اور اس مرتبہ کو تجوید کی کتب میں افضل اور اکمل لکھا گیا ہے اور یہ مستحب ہے۔ اب یہاں تک تجوید کے معنی اور اس کا وجوب جو شعر کے پہلے مصرعہ سے نکلتا ہے معلوم ہوا۔

لحن کا بیان

اب دوسرے مصرعہ کے معنی سنو کہ جو شخص تجوید کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ گناہ گار ہے یعنی جس نے قرآن کو تجوید کے ساتھ نہ پڑھا اس کے الفاظ کو صحیح طور پر تجوید سے ادا نہ کیا اور فصیح عربی کو چھوڑ کر قبیح عجمی انداز پڑھنے میں اختیار کیا اور اس قبیح عجمی انداز کے ہوتے ہوئے کسی اچھے ماہر استاذ قاری کے پاس جا کر قرآن کو تجوید سے پڑھنا ترک کیا ہوا ہے۔

تجوید کے ترک کرنے سے جو تلاوت ہوگی وہ ''لحن'' کہلائے گی۔

اور یہ لحن حرام ہے۔

یاد رہے کہ یہاں لحن کے معنی غلطی کے ہیں جو کہ حرام ہے اور لحن کے ایک معنی خوش آوازی کے بھی ہیں وہ سنت ہے۔ (یعنی قرآن پڑھتے ہوئے خوبصورت آواز بنا کر پڑھنا) اب ہم یہاں اس لحن کو جو غلطی کے معنی میں ہے اور حرام ہے اس کا بیان کرتے ہیں۔

لحن کی دو اقسام ہیں:

(۱) لحن جلی (۲) لحن خفی

لحن جلی سے مراد وہ اغلاط ہیں کہ جس سے معنی بدل جائیں جیسے اعراب میں غلطی کرنا۔ ۴۰؎

اور لحن خفی سے مراد یہ ہے کہ جس سے معنی تو نہیں بدلتے ہیں جیسے باریک حرف کو پر پڑھنا اور پر کو باریک پڑھنا یا ادغام کے مقام پر اظہار کرنا یا اظہار کے مقام پر اخفاء کرنا وغیرہ اس کو لحن خفی کہتے ہیں ۴۱؎ اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے ہیں مگر یہ قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے اور اس کی خوبصورتی اور حسن کو ختم کردیتی ہے اور پڑھنے والا اسی شخص کی مانند ہو جاتا ہے جو قرآن کو فصیح عربی کی بجائے غیر فصیح زبان میں پڑھتا ہے۔

اور جس غلطی سے نماز فاسد ہوتی ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ اپنی شرح جزری میں تحریر فرماتے ہیں کہ شارح ارجوزہ (یعنی المقدمۃ الجزریہ کے پہلے شارح علامہ احمد الجزریؒ جنہوں نے ''الحواشی المفہمہ'' کے نام سے علامہ جزریؒ کی حیات میں ہی شرح لکھی اور جو علامہ جزری موصوفؒ کے صاحبزادے ہیں نیز یہ شرح مطبوع ہے اور قرآءت اکیڈمی سے دستیاب ہے۔ نجم الصبیح عفی عنہ) نے اس بیت وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ الخ کی شرح میں کہا کہ حضرت مصنفؒ

۴۰؎ لحن جلی کی تین اقسام ہیں۔

(۱) ایک حرف کا دوسرے حرف سے تبدیل ہو جانا چاہے وہ تبدیل شدہ حرف عربی زبان کا ہو یا غیر عربی زبان کا۔

(۲) کسی حرف کا اضافہ کردینا یا کسی حرف کا حذف کردینا۔

(۳) متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کردینا یا حرکات میں تبدیلی کرنا۔

مذکورہ تینوں صورتوں میں ضروری نہیں ہے کہ تبدیلی معنی بھی ہو ہر نوع لحن جلی میں داخل ہے۔

۴۱؎ لحن خفی کا مطلب ہے صفات عارضہ میں غلطی کرنا جیسا کہ بیان کیا گیا مثلاً ادغام نہ کرنا۔ حرکات کاملہ سے وقف کرنا۔ اظہار کی جگہ پر اخفاء کرنا لام وراء کے جو مواقع پر کرنے کے ہیں ان میں باریک پڑھ دینا وغیرہ۔

نے خبر دی ہے کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اس کے لئے ضروری ہے کہ تجوید کے قواعد کو مد نظر رکھے اور ان قواعد تجوید کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا (یعنی ان قواعد کے مطابق تلاوت کرنا) فرض عین اور لازم ہے۔

اس کے بعد (علامہ احمد الجزریؒ) نے کہا کہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کو تجوید سے نہ پڑھے وہ شخص نافرمانی کا مرتکب ہے اور تلاوت قرآن کرنے میں گناہ گار ہے اور گناہ گار کو عذاب کیا جاتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ تجوید کا ترک کرنا حرام ہے اور تارک تجوید کو حرام کام کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا اور جو شخص قواعد تجوید سے تلاوت کرے گا وہ ثواب کا حقدار ہوگا۔

نوٹ: آئندہ شرح میں جہاں کہیں بھی ہم شرح کا لفظ استعمال کریں گے تو اس سے مراد حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ کی شرح ہوگی۔

اب حضرت مصنف تجوید کے واجب ہونے کی دلیل اگلے شعر میں بیان فرما رہے ہیں۔

(۲۸) لِاَنَّهٗ بِهِ الْاِلٰهُ اَنْزَلَا
وَهٰكَذَا مِنْهُ اِلَيْنَا وَصَلَا

ت: کیونکہ وہ قرآن اس (تجوید) کے ساتھ ہی اللہ نے نازل کیا اور اسی طرح تجوید کے ہمراہ (اللہ سے) ہم تک پہنچا۔

ش: اس واسطے کہ قرآن حکیم کو تجوید کے ساتھ ہی معبود برحق نے اتارا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا. (الفرقان)

''اور ہم نے قرآن کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔

پس جب قرآن کو ترتیل سے نہ پڑھا گیا تو گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کو جس طرح نازل فرمایا ہے اس طرح سے نہ پڑھا گیا یا یہ مطلب ہے کہ اس کو پڑھا تو تحریف کر کے اور بدل کے پڑھا۔

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ. (بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تا کہ تم لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

مُكْثٍ عُجَلَتْ کے الٹ ہے مُکْثْ کے معنی دیر کرنا اور عُجَلَتْ کے معنی جلدی کرنا۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا. (یوسف)

''یعنی ہم نے قرآن عربی میں اتارا ہے۔''

معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے میں عربی زبان کے قواعد کی رعایت رکھے یعنی ترقیق اور تفخیم، ادغام اور اظہار، اخفاء، مد اور قصر وغیرہ میں جو عربی زبان کے قواعد واصول وضوابط کو ملحوظ رکھے۔ دراصل عربی زبان بھی ان اولین عربوں کی مستند سمجھی جائے گی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عرب ہیں (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کیونکہ ان کو قرآن پڑھنے کے صحیح قواعد کا علم تھا پس بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے لئے واجب وضروری ہے کہ ان قواعد کو سیکھیں اور ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریق پر پڑھیں اور کوشش کریں کہ ان جیسا ہی پڑھا جائے کیونکہ اگر قرآن کو ان حضرات کے قواعد کے مطابق نہ سیکھا تو قرآن کو عربی زبان کے مطابق نہ پڑھا۔

اور تجوید کے واجب ہونے کی دلیل قرآن میں یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کو تجوید کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (المزمل)

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف اور واضح پڑھیے۔''

یہ بات یقینی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو مُرتّل اور مجوّد یعنی ترتیل اور

تجوید کے ساتھ کہ جیسا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نازل فرمایا تھا تلاوت فرماتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے سارے فصحاء سے زیادہ فصیح تھے۔ بظاہر تو یہ خطاب حق سبحانہ وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مراد اس فرمان عالی سے یہ ہے کہ ساری امت محمدیہ اس حکم میں داخل ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا **اَلتَّرْتِیْلُ هُوَ تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَ مَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ** یعنی ترتیل کا مطلب ہے حروف کی تجوید اور وقوف کی پہچان اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وقوف کی پہچان اور تحقیق حروف۔

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ان سے ترتیل کی حقیقت پوچھی گئی تو فرمایا کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا جیسا کہ ٹھہر کر پڑھنے کا حق ہے اور حضرت ضحاکؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ترتیل کے معنی فرمائے کہ حرف حرف کو صاف پڑھنا اس انداز میں گویا ایک ایک حرف جدا جدا رکھتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ترتیل کے معنی ہیں واضح اور صفائی سے پڑھنا جیسا کہ وضاحت سے پڑھنے کا حق ہے۔

حضرات مجودینؒ نے ترتیل کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور حرف کو اس دوسرے حرف سے جو اس کے بعد ہے داخل نہ کرے اور قرآن پڑھنے میں عجلت کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ صحیح تناسب کے ساتھ ایسے پڑھے گویا حروف باہم ہار کے موتیوں کی مانند ملے ہوئے بھی ہوں اور الگ الگ بھی تجوید کے واجب ہونے کی دلیل حضرت مصنفؒ نے دوسر مصرعہ میں اس طرح بیان فرمائی ہے کہ قرآن تجوید وترتیل ہی کے ساتھ اتارا گیا اور اسی طرح معبود برحق سے ہم تک پہنچا ہے اس طرح سے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کریم کو مرتل اور مجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور تابعین حضراتؒ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قرآن کو اسی طرح سیکھا اور حضرات تابعینؒ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

قرآن کو ائمہ قرآءات عشرہ نے سیکھا اور ائمہ قراءات عشرہ سے پھر ان کے راویوں نے سیکھا اور ان راویوں سے ان کے شاگردوں نے سیکھا اسی طرح سے اگلے بزرگوں سے پچھلے لوگ سیکھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ اسی ترتیل اور تجوید کے ساتھ قرآن مجید ان مشائخ کے پاس پہنچا جنہوں نے قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کے واسطے تجوید کے سارے قواعد کو جمع کیا اور کتب تالیف فرمائیں ۴۲؎ اور ان قواعد کو ضبط تحریر میں لا کر ایسا مضبوط و مستحکم کیا کہ کسی بیمار میں کوئی بیماری نہ رہی یعنی قرآن کے غلط پڑھنے اور تجوید کو ترک کرنے کی بیماری باقی نہ رہی اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ہمیں ان سے بڑا فائدہ ملا اب جو کوئی تجوید کے قواعد ملحوظ نہیں رکھے گا اس کا اپنا نقصان ہوگا۔

نوٹ: یہ سب مضمون شرح المقدمۃ الجزریہ للشیخ محدث دہلویؒ سے لکھا گیا ہے۔

اب وجوب تجوید کے بعد اس کی خوبیوں کا بیان فرماتے ہیں۔

(۲۹) وَھُوَ اَیْضًا حِلْیَۃُ التِّلَاوَۃِ
وَ زِیْنَۃُ الْاَدَآءِ وَ الْقِرَآءَۃِ

ت: اور وہی تجوید (جو واجب ہوئی ہے) تلاوت کا زیور اور زینت اور آرائش ادا قرآءت کی ہے۔ ۴۳؎

۴۲؎ قواعد تجوید کو جمع کرنے والوں میں درج ذیل حضرات کے نام آتے ہیں۔
(۱) ابوالاسود الدوئلی التابعیؒ (۲) ابوالقاسم عبیداللہ بن سلامؒ (۳) خلیل بن احمد الفراہیدیؒ (۴) آئمہ قراءات میں سے کسی نے قواعد کو مرتب کیا جیسے ابوعمر حفص الدوری البصریؒ (۵) ابومزاحم خاقانیؒ (۶) موسیٰ بن عبیداللہ بن خاقان البغدادیؒ وغیرہم۔

۴۳؎ علم قرآءت علم یعلم منه اتفاق الناقلین لکتاب الله تعالیٰ واختلافهم فی الحذف والاثبات التحریک و التسکین والفصل والوصل وغیره ذلک من هئیة النطق والابدال و موضوعه کلمات القرآن من حیث یبحث به عن احوالها کالمد والقصر غایة معرفة ما یقرء به کل من الائمة القراء والمقرء فائدة صیانة القاری عن التحریف والتغیر مع ثمرات کثیرة – منه

(۳۰) وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا
مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَ مُسْتَحَقَّهَا

ت : اور وہ تجوید کیا ہے کہ حرفوں کو ان کا حق دینا ان صفات سے جو ان حرفوں کے واسطے لازم ہے۔

ش : یعنی ان کی ذاتی صفت مانند جہر اور ھمس، شدت اور رخاوت وغیرہ اور حروف کو ان کا حق دینا سے (حاء مفتوحہ سے) اس کے معنی وہ چیز جو سزاوار اور لائق ہے یعنی ان لازمی ذاتی صفات کے سبب سے جو احوال کہ ان حروف کے واسطے لائق ہیں۔ سو ان احوال کو بھی حرفوں کو دینا مثلاً حرف مستفلہ میں بسبب اس کی صفات لازمہ استفال کے باریک پڑھنا یہ اس حرف کا حال کہلائے گا اور حرف مستعلیہ میں بسبب اس کی صفت لازمہ استعلاء کے حرف کو پر پڑھنا یہ پر پڑھنا اس حرف کا حال کہلائے گا۔[۴۴]

ایسے ہی صفات عارضہ بھی احوال میں شمار ہوں گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ صفات ذاتیہ لازمہ اور صفات عارضہ دونوں کو نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ ادا کرنا اور ان دونوں قسم کی صفات کے ہمراہ حرف کو ادا کرنا جیسا کہ ابھی پیچھے اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

(۳۱) وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِّاَصْلِهٖ
وَاللَّفْظُ فِيْ نَظِيْرِهٖ كَمِثْلِهٖ

ت : اور تجوید کیا ہے کہ پھیرنا ہے ہر ایک حرف کو اس کی اصل کی طرف (حرف کو اس کے

---

[۴۴] علامہ جزری التمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں۔
تجوید یہ ہے کہ حروف کو ان کے حقوق کے ساتھ نکالا جائے اور ان کے مراتب میں ترتیب کو قائم رکھا جائے حرفوں کو ان کے مخارج اور اصل کی طرف لوٹانا ان کو ان کے ہم شکل الفاظ کے ساتھ ایک جیسا رکھنا لفظوں میں صوت کی وضاحت ہو تلفظ میں حرفوں کی صفت و ہیئت کے مطابق عمدہ ادائیگی ہو نہ اسراف ہو اور نہ بے راہ روی نہ افراط نہ تکلف۔

مخرج سے ادا کرنا) اور لفظ اپنی نظیر میں مانند اپنے مثل کے ہوتا ہے۔

ش : **فائدہ:** یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ہر حرف کو اس کے مخرج سے سب ہی ادا کرتے ہیں بغیر مخرج کے تو کوئی بھی ادا نہیں کرتا۔ یہاں پھر حرف کو مخرج سے ادا کرنے کی تاکید کس واسطے کی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب اور اہل عجم کے مخرج میں بڑا فرق ہے مثلاً جیم شین اور یاء تحتانیہ (یعنی دو نقطے والی) کو عجم والے ثنایا علیا کے مسوڑھوں اور زبان کی نوک سے ادا کرتے ہیں اور اہل عرب کے نزدیک ان تینوں حروف کا مخرج وسط زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے یہی صورت حال دیگر حروف میں سمجھو۔

پس تجوید کی کتاب میں جس حرف کا جو مخرج مقرر ہے اسی مقام سے اس کو ادا کرنا چاہیے۔

تجوید کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حرف کو اسی کی مانند میں مثل ادا کرنا یعنی جیسا ایک حرف ایک مرتبہ ادا کیا ہے انہی صفات اور مخرج صحیحہ سے اسے دوسرے مقام پر بھی ادا کرنا مثلاً اگر ایک حرف پر کو پر ادا کیا ہے اور وہی حرف دوبارہ پھر آئے تو اسے بھی پہلے مقام کی مانند پر ادا کیا جائے جیسا کہ پہلے کو پر ادا کیا تھا اور ایسا باریک کا حال سمجھو۔ خلاصہ یہ کہ حرف کی اداء کے دوران سب حرفوں میں رعایت صفات و مخارج ملحوظ خاطر رکھنا اور ایسا نہ ہو کہ ایک مرتبہ کو ایک حرف کو صحیح قواعد تجوید کے مطابق ادا کرے اور دوسری مرتبہ ان قواعد کو ملحوظ نہ رکھے۔

(۳۲) مُـكَـمِّـلًا مِّـنْ غَيْـرِ مَـا تَـكَـلُّفِ
بِـالـلُّـطْفِ فِـي الـنُّـطْـقِ بِـلَا تَـعَسُّفِ

ت : حرفوں کو ان کا حق دینا اس حال کے ساتھ کہ قاری تجوید کو کامل کرنے والا ہو اور پاکیزگی اور نزاکت کے ساتھ ہو بغیر تعسف کے۔

ش : تجوید کو کامل کرنے سے مراد یہ ہے کہ تجوید کو کمال کے درجے میں پہنچا دے اور حروف

کوخوب پورا ادا کرے بغیر تکلیف کے یعنی جیسا کہ ادا کرنے کا حق ہے ویسا ہی ادا کرے یعنی زبان کو چبائے نہیں۔منہ میں گڑھا نہ پڑے۔حرف ادا کرتے وقت خواہ مخواہ زور نہ لگائے ہونٹوں اور منہ کو ٹیڑھا نہ کرے بلکہ لازم ہے کہ وہ قرآءت پاکیزگی اور نزاکت کے ساتھ ہو پڑھنے میں بغیر تعسف کے ہو۔تعسف کے معنی ہیں غلط راہ پر جانا پس مطلب یہ ہوا کہ تلاوت میں بے راہ نہ ہو جائے اور تجوید کے قواعد کو ترک نہ کرے اور نہ تجوید کے قواعد سے تجاوز کرے بلکہ تجوید کے قواعد کے ہمراہ آواز کو اچھی بنا کے خوش آواز عرب کے لہجوں سے الفاظ کی شیرینی اور کلمات کی مٹھاس کے ساتھ تلاوت کرے اس طرح کہ جس کے پڑھنے اور سننے سے جان اور دل کو آرام اور چین ملے اور اگر تلاوت اس طرح نہ ہوگی تو اس سے طبیعت کو نفرت ہوگی جیسا کہ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی
ببری رونق مسلمانی

(۳۳) وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ
إِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ بِفَكِّهِ

ت : اور تجوید کے ادا کرنے اور تجوید کے چھوڑنے میں اور کچھ فرق نہیں ہے مگر آدمی کی ریاضت اور محنت جو اپنی جان پر محنت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ش : تجوید کے ادا کرنے اور تجوید کے چھوڑنے میں انسان کی اپنی ریاضت اور محنت کا دخل ہے یعنی وہ جس قدر اس میں محنت اور سعی کرتا ہے تجوید کے علم کو حاصل کر لیتا ہے اور محنت کو چھوڑنے سے علم تجوید سے محروم رہتا ہے۔

بَابُ اِسْتِعْمَالِ الْحُرُوْفِ

حروف کی عملی ادائیگی کے قواعد کا باب

اوپر جو صفات لازمہ متضادہ اور صفات لازمہ غیر متضادہ سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں اور نکلتے ہیں اور نیز اب جب کہ تجوید کا وجوب بھی ثابت ہو چکا ہے تو اب حروف قرآنیہ کی تلاوت تجوید کے قواعد کے ساتھ عملی طور پر کرو۔ (اس باب متفرق احکامات کا بیان یہاں کیا جاتا ہے)

(۳۴) فَـرَقِّـقَـنْ مُّسْتَـفِـلًا مِّـنْ اَحْـرُفٍ
وَحَـاذِرَنْ تَـفْـخِيْـمَ لَـفْـظِ الْاَلِفِ

ت : تو البتہ ترقیق کر (یعنی باریک کر) حرفوں میں سے مستفلہ حروف کو اور البتہ پرہیز کر تفخیم (یعنی پر کرنے) سے لفظ الف کو۔

ش : حروف مستعلیہ جو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں مجتمع ہیں ان کے سوا باقیا سب حروف مستفلہ ہیں ان سب کو باریک ادا کر۔ ترقیق کے معنی حروف کو باریک اور نازک کرنا۔ ترقیق کی ضد تفخیم ہے اور اس کے معنی حرف کو موٹا اور پر کرنا ہے۔

حرف باریک ہوتا ہے زبان کو نیچے لانے سے (یعنی تالو سے الگ رکھنے سے) اور حرف پر ہوتا ہے زبان کو بلند کرنے سے (یعنی تالو کی جانب اٹھانے سے)

یہاں الف کے باریک کرنے کا حکم بظاہر بغیر کسی قید کے معلوم ہوتا ہے مگر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح جزری میں اس کی حقیقت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

کہ الف اگرچہ مستفلہ ہے لیکن یہ ہمیشہ باریک نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ تابع ہوتا ہے اپنے ما قبل کے اگر اس کا ما قبل مستفلہ ہوگا تو الف باریک کیا جائے گا اور اگر الف سے ما قبل حرف مستعلیہ ہوگا یا حروف مستعلیہ میں سے تو نہ ہوگا پر ہوگا جیسے لام اللہ اور راء کی وہ حالتیں جہاں راء پر

ہوگی تو الف بھی پر پڑھا جائے گا۔

جس نے یہ کہا ہے کہ الف کی ترقیق کو مدنظر رکھے اگر چہ الف حرف استعلاء کے بعد ہو پس یہ قول معتبر نہیں ہے علامہ جزریؒ نے تجوید وقراءات کے فن کی اپنی مستند تصانیف میں اس بات کی بڑی واضح انداز میں تصریح فرمائی ہے۔

اور یہاں جواُز جوزہ (المقدمۃ الجزریہ کا ایک نام) میں الف کو پر کرنے سے منع فرمایا ہے یہ اسی تصریح کے حوالہ سے ہے یعنی الف اپنے ماقبل کے تابع ہوتا ہے اگر چہ اس مقام پر علامہ جزریؒ کا کلام مطلق ہے (تلخیص از شرح جزری للشیخ محدث دہلویؒ)

راقم یہ کہتا ہے کہ اس شعر کے معنی سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ حروف مستفلہ کو باریک کرو اور الف جو کہ مستفلہ ہے اور جس کی اصل ترقیق ہے اس کی تفخیم سے پرہیز کرو جب وہ حرف مستفلہ کے قریب آئے اور اس کے پر پڑھنے کی صورت میں اپنی دیگر فن کی بڑی کتب کا حوالہ دیا ہے۔ اب چونکہ کئی الفاظ میں حروف مستفلہ کے پر ہو جانے کا شبہ تھا اس واسطے ان کو خاص طور پر ذکر فرما رہے ہیں اور ان کے باریک کرنے اور ظاہر کر کے پڑھنے کی تاکید فرماتے ہیں:

(۳۵) وَهَمْزَ اَلْحَمْدُ اَعُوْذُ اِهْدِنَا
اَللّٰهَ ثُمَّ لَامَ لِلّٰهِ لَنَا

ت : باریک پڑھو اَلْحَمْدُ ـ اَعُوْذُ ـ اِهْدِنَا اور اَللّٰهَ کے ہمزہ کو اور لِلّٰهِ ـ لَنَا کے لام کو۔

ش : ظاہر اور روشن کر کے پڑھو باریکی اور نزاکت کے ساتھ ہمزہ کو چار مقام میں (۱) حاء کے قریب جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (۲) عین کے قریب اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ان دو مقامات میں تو ہمزہ کو ظاہر کرے اس واسطے کہ ہمزہ مجہورہ شدیدہ ہے اور اقصیٰ حلق سے ادا ہونے والا حرف ہے اور حاء اور عین حلق کے مخرج میں شریک ہے (کیونکہ عین اور حاء وسط حلق سے نکلتے ہیں اور جو اقصیٰ حلق سے بالکل متصل ہے۔ نجم الصبیح عفی عنہ) لہٰذا ایسا نہ ہو کہ آپس میں خلط ملط ہو جائیں اور صفت

جہراور شدت ان کی خراب ہو جائے۔

(۳) ھاء کے قریب ہمزہ آئے جیسے اِھْدِنَا کہ اس مقام پر ہمزہ کو ظاہر کر کے پڑھنے میں خوب کوشش و محنت کرے اور اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ جو عین اور حاء میں لکھی گئی ہے۔(کیونکہ ھاء بھی اقصیٰ حلق سے ہی نکلتا ہے۔ نجم الصبیح عفی عنہ)

(۴) لام تعریف کہ جو لفظ اَللّٰہُ میں ہے اس میں بھی پر حرف کے قریب ہونے کی وجہ سے ہمزہ پر نہ ہونے پائے پھر فرماتے ہیں کہ لِلّٰہِ کے لام کو اس کے کسرہ کی وجہ سے باریک کر اور ایسے ہی لَنَا کے لام میں بھی کیونکہ وہ نون سے قبل آ رہا ہے اور لام اور نون کے مخرج قریب قریب ہیں ایسا نہ ہو کہ دونوں حروف باہم خلط ملط ہو جائیں۔

(۳۶) وَلْيَتَلَطَّفْ وَعَلَى اللّٰهِ وَلَا الضَّ
وَالْمِيْمَ مِنْ مَّخْمَصَةٍ وَّمِنْ مَّرَضْ

ت : وَلْيَتَلَطَّفْ- وَعَلَى اللّٰهِ کے لام اول کو (باریک پڑھ) اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے لامات کو اور مَخْمَصَةٍ اور مَرَضْ کی میمات کو۔

ش : اسی طرح سے محافظت کر لام اول کے سکون کی اور لام ثانی کی ترقیق کی اس وجہ سے کہ یہ طاء کے قریب آ رہے ہیں جو کہ مطبقہ ہے کلمہ وَلْيَتَلَطَّفْ میں۔

اور باریک کر عَلَى اللّٰهِ میں عَلٰی کے لام کو اس وجہ سے کہ لام مفخم لفظ اَللّٰهُ کے قریب ہونے کی وجہ سے اور اسی طرح ترقیق کر وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے لام اول اور لام ثانی کو حرف مفخم یعنی ضاد کی وجہ سے ایسا نہ ہو کہ ضاد کی وجہ سے یہ لامات بھی مفخم ہو جائیں اور شعر میں وَلَا الضَّ صرف جو بیان کیا ہے وہ ضرورت شعری کی وجہ سے کیا ہے۔اسی طرح مَخْمَصَةٍ اور مَرَضْ کے کلمات میں جو میم آ رہی ہیں ان کی ترقیق کا خاص خیال کرو کہ کہیں یہ میمیں حرف مفخم خاء، صاد، راء اور ضاد کے قریب ہونے کی وجہ سے مفخم نہ ہو جائیں۔

(۴۷) وَبَـــآءَ بَــرْقٍ بَـــاطِـــلٍ بِهِـــمْ بِــذِیْ
وَاحْـرِصْ عَلَـی الـــشِّـــدَّةِ وَالْجَهْـرِ الَّذِیْ

(۴۸) فِیْهَـــا وَفِـــی الْـجِیْـمِ کَـحُـبِّ الـصَّبْـرِ
رَبْـــوَةٍ اجْـتُـثَّـتْ وَحَـجِّ الْـفَـجْـرِ

ت : اور (باریک پڑھ) بَرْقٍ - بَاطِلٍ - بِهِمْ اور بِذِیْ کی باء اور صفت شدت اور جہر کے ادا کرنے میں اہتمام کر جو کہ اس (باء) میں اور جیم میں ہے جیسے کَحُبِّ - اَلصَّبْرِ - رَبْوَةٍ - اُجْتُثَّتْ اور حَجَّ اور اَلْفَجْرِ میں۔

ش : بَـرْقٍ کی باء کو باریک کر وراء مفخمہ کے قرب کی وجہ سے اور اس کے بعد قاف حرف مستعلیہ کے آنے کی وجہ سے بَاطِلٍ کی باء کو باریک کر وطاء کے قرب کی وجہ سے۔

فائدہ: باء اور طاء کے درمیان جو الف ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے اس واسطے کہ جب حرف ترقیق اور تفخیم کے درمیان حرف ساکن آئے خصوصاً الف تو وہ حرف ساکن اور الف نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا اس حرف مرققہ کو حرف مفخم کے قرب کی وجہ سے اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے مبادا حرف مفخم کی وجہ سے حرف مرقق کی ترقیق متاثر ہو۔

بِهِـمْ اور بِـذِیْ میں حرف خفی کے ساتھ باء کے آنے کی وجہ سے باء کو ترقیق سے پڑھ کیونکہ ترقیق حرف خفی کے مناسب ہے۔[۴۵]

اور خوب اچھی طرح صفت شدت اور جہر کو ظاہر کر وان دونوں حروف یعنی باء اور جیم میں تا کہ

---

[۴۵] بعض اوقات باء کی ترقیق اس لئے بھی ناقص ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد کوئی حرف خفی آئے جیسے بِهِـمْ - بِهٖ وَ بِذِی الْقُرْبٰی وغیرہ میں اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف خفی یا حرف ضعیف کے آنے کی وجہ سے باء کی شدت اور جہر دو قوی صفات کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے اسی لئے حضرت ناظمؒ اگلے شعر میں باء اور جیم میں ان دونوں صفات کی ادا پر زور دیتے ہیں۔

باء مشابہ فاء کے اور جیم مشابہ شین کے نہ ہو جائے پھر باء کی مثالیں جیسے یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ اور وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور بِرَبْوَةٍ بیان کی اور جیم کی مثالوں میں كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ - مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ اور وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ - حِجُّ الْبَيْتِ اور وَالْفَجْرِ ہیں۔

یہاں حضرت مصنفؒ نے باء اور جیم میں صفت شدت اور جہر کو اہتمام سے ادا کرنے پر زور دیا ہے اور یہ صفات سکون اور ادغام کی حالت میں مزید اہتمام سے ادا ہونی چاہیے کیونکہ اگر ان صفات یعنی جہر اور شدت کو اہتمام سے ادا نہیں کرے گا اور ترقیق میں زیادہ مبالغہ اختیار کرے گا تو جیسا ہم پہلے بیان کر آئے کہ باء مشابہ فاء کے اور جیم مشابہ شین کے ہونے کا ڈر ہے۔

پس یہ خدشہ حرکت اور اظہار کی حالت میں بھی ان حروف میں موجود ہے (سکون کی ضد حرکت اور ادغام کی ضد اظہار ہے) اور شدت اور جہر کا اہتمام کرنا اس کی حقیقت یہ ہے کہ سخت اور بلند آواز ٹھہر کے نکالے۔

(۳۹) وَبَيِّنَنْ مُقَلْقَلًا اِنْ سَكَنَا
وَاِنْ يَكُنْ فِي الْوَقْفِ كَانَ اَبْيَنَا

ت : اور ظاہر کر حروف قلقلہ کو اگر ساکن ہوں اور اگر حرف قلقلہ وقف میں ہوگا تو اس کا قلقلہ زیادہ ظاہر ہوگا۔

ش : یعنی حروف قلقلہ جو کہ قُطْبُ جَدٍّ میں مجتمع ہیں ان کو اگر ساکن ہوں حالت وقف میں یا غیر وقف میں یعنی وصل میں ہر حالت میں ظاہر کر کے پڑھو مگر فرق یہ ہے کہ اگر قلقلہ کا حرف وقف میں ہوگا تو اس کا قلقلہ زیادہ ظاہر ہوگا۔

سکون کی امثلہ: تَقْطَعُوْنَ - فِطْرَةً - رَبْوَةٍ - وَالْفَجْرِ - يَدْخُلُوْنَ وغیرہ۔

وقف کی امثلہ: فِرَاقْ - مُحِيْطْ - فَارْغَبْ - اَلْعِبَادْ -

مُقَلْقَلاً اَیْ قَلْقَلَهْ وَ آنْ حرکت دادن وجنبش دادن مخرج مت تا شنیدہ شود ضغطہ قویہ۔

(۴۰) وَحَاءَ حَصْحَصَ اَحَطْتُّ الْحَقُّ
وَسِيْنَ مُسْتَقِيْمَ يَسْطُوْا يَسْقُوْا

ت : اورظاہرکرترقیق کےساتھ حَصْحَصَ - اَحَطْتُّ اور اَلْحَقُّ کی حاءکواورسین کو مُسْتَقِيْمَ - يَسْطُوْنَ - يَسْقُوْنَ میں۔

ش : حَصْحَصَ کی حاءکوبالترقیق نہایت وضاحت سے پڑھوصادکی قربت کی وجہ سے۔ اَحَطْتُّ کی حاءکوطاءکےقرب کی وجہ سےاور اَلْحَقُّ کےحاءکوقاف کےقرب کی وجہ سے کہ پرحروف کی قربت کی وجہ سے حاءبھی کہیں پرنہ ہوجائے۔

اوراسی طرح ظاہرکرکےترقیق کےساتھ سین کو مُسْتَقِيْمَ - يَسْطُوْنَ - يَسْقُوْنَ میں پڑھےاس لئےکہ سکون کی وجہ سےسین کمزورہےاور يَسْطُوْنَ - يَسْقُوْنَ میں سین ساکن کےعلاوہ طاءاورقاف بھی آرہےہیں اس لئےیہ خدشہ بھی ہےکہ سین پرنہ ہوجائے خلاصہ یہ کہ ایسےمقامات پراس بات کاخاص خیال رکھےکہ نہ توسین ختم ہوجائےبوجہ سکون کےاورنہ ہی یہ ہوکہ سین پرہوجائےحروف مستعلیہ کی وجہ سے بلکہ نہایت صحیح اورواضح ترقیق کےساتھ صفت صفیروالی سین اداہو۔

بَابُ الرَّآءَاتِ

راءکی حالتوں کابیان

(۴۱) وَرَقِّقِ الرَّآءَ اِذَا مَا كُسِرَتْ
كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ

ت : اورترقیق سےپڑھوراءکوجب بھی وہ مکسورہوایسےہی مابعدکسرہ کےجہاں ساکن

ہو جائے۔

ش : اور راء باریک ہوگی جس وقت کہ مکسور ہو چاہے وہ راء مکسورہ کلمہ کے شروع میں ہو جیسے رِجَالٌ یا درمیان میں ہو جیسے اَلْغَارِ مِیْنَ یا کلمہ کے آخر میں ہو جیسے عُقْبَى الدَّارِ یا راء منونہ ہو جیسے وَلَيَالٍ عَشْرٍ یا تنوین نہ ہو جیسے وَالْفَجْرِ یا اس راء کے ماقبل ساکن ہو جیسے وَاضْرِبْ یا حرف متحرک ہو جیسے اَرِنَا اسی طرح راء کے مابعد حرف مستعلیہ ہو جیسے فِی الرِّقَابِ یا راء سے ماقبل حرف مستعلیہ ہو جیسے اِضْرِبْ۔

ایسے ہی راء مکسورہ کے ماقبل یاء ہو جیسے غَيْرِ - غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ وغیرہ یا کوئی دوسرا حرف ہو جیسے اَرِنَا ایسے ہی اس راء کا کسرہ اصلی ہو جیسے وَاضْرِبْ یا عارضی ہو جیسے بِـاَمْرِ رَبِّكَ یا اس راء کا کسرہ تامہ ہو یعنی پورا ادا کیا جاتا ہو جیسے رِيَآءَ النَّاسِ - رِجَالٌ وغیرہ یا اس کا کسرہ ناقصہ ہو یعنی پورا نہ پڑھا جاتا ہو بوجہ روم کے جیسے فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ یا اختلاس کی وجہ سے جیسے بَارِئِكُمْ (روایت دوری بصری) یا راء مکسورہ کا کسرہ ناقصہ ہو امالہ کی وجہ سے جیسے وَالذِّكْرٰى۔

ایسے ہی راء باریک ہوگی حالت میں جب سکون کے ساتھ مطلقاً وقف ہو یعنی بلا کسی قید کے ہر صورت میں باریک پڑھی جائے گی اور اگر راء مفتوحہ یا مضمومہ یا مکسورہ ہو اور اس کے ماقبل حرف کو امالہ سے پڑھا جائے اور امالہ حرف الف کے ماسوا دوسرے حرف میں نہیں ہوتا جیسے قَرَارٍ اور نَارٍ اور اگر ماقبل حرف میں امالہ نہ ہو تو وہ راء پر ہوگی ایسے ہی ترقیق راء ہوگی مابعد کسرہ کے جہاں راء ساکن ہوگی یعنی جہاں کہیں راء ساکن ہو اور اس کا سکون لازمی یعنی اصل لفظ کا ہو جیسے مِرْيَةٍ یا سکون عارضی ہو یعنی ماقبل سے یہ سکون آیا ہو جیسے اِسْتَغْفِرْ اور وہ سکون وقف کا نہ ہو بلکہ جزم کا ہو کیونکہ وقف کا حکم اور ہے کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے اور کچھ بیان ہو بھی چکا ہے۔

وہ راء جو کلمہ کے درمیان میں ہو یا کنارے میں ہو وصل یعنی ملا کر پڑھنے کی حالت میں ہو یا وقف کی حالت میں یعنی راء پر جزم ہو اور وہاں وقف کا مقام ہو فعل ہو یا اسم ہر صورت میں اگر راء

کے ماقبل کسرہ لازمی یعنی اصل ہو اور وہ کسرہ اور راء دونوں ایک کلمہ میں ہوں جیسے مِرْيَةٍ۔ فِرْعَوْنَ۔ لَشِرْذِمَةٌ۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ فَانْتَصِرْ وغیرہ تو ان سب صورتوں میں راء باریک پڑھی جائے گی۔

پس دونوں مصرعوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ راء مکسور ہر حالت میں باریک ہے اور راء ساکن جس کے ماقبل کسرہ اصلی ہو وہ بھی باریک ادا ہوگی۔

(۴۲) اِنْ لَّمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلِ حَرْفِ اسْتِعْلَا
اَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ اَصْلَا

ت : اگر وہ راء ساکن نہ ہو حرف استعلا سے قبل اور راء ساکن سے پہلے ایسا کسرہ ہو جو اصلی نہیں ہے۔

ش : راء ساکن نہ ہو حرف استعلا سے قبل یعنی راء ساکن جس سے قبل کسرہ ہے جب اس کے بعد حرف استعلاء میں سے کوئی حرف نہیں ہوگا تب راء باریک ہوگی اور اگر حرف استعلاء ہوگا تو راء پُر ہوگی جیسے مِرْصَادًا۔ قِرْطَاسٌ۔ فِرْقَةٍ وغیرہ اور ان تین کلمات کے علاوہ قرآن شریف میں ایسی حالت نہیں آئی ہے۔

اگر راء ساکن سے قبل کسرہ نہ ہو بلکہ فتح ہو جیسے قَرْيَةٌ اور بَرْقٌ اور اَنْذَرْتَهُمْ وغیرہ یا ضمہ ہو جیسے قُرْاٰنٌ۔ مُرْتَابٌ۔ اُنْصُرْنَا وغیرہ تو ان سب حالتوں میں راء پُر پڑھی جائے گی۔ یا راء ساکن سے قبل ایسا کسرہ ہو جو اصلی نہیں ہے یعنی راء کے ماقبل کسرہ عارضی ہو جیسے اِرْجِعْ۔ اَنِ ارْكَعُوْا وغیرہ کہ اصل میں مضارع میں راء سے قبل فتحہ تھا جب صیغہ امر کا بنایا تب اس سے پہلے ہمزہ مکسورہ لائے اور اسی ہمزہ کا کسرہ عارضی ہے یا کسرہ عارضی اور راء ساکن

ایک کلمہ میں نہ ہوں بلکہ دو کلموں میں ہوں جیسے اَمِ ارْتَابُوْا - رَبِّ ارْجِعُوْنِ - ٤٦ اِنِ ارْتَبْتُمْ وغیرہ (اور یہ کسرہ بھی لازمی نہیں بلکہ عارضی ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا) تو ان سب صورتوں میں راء پُر پڑھی جائے گی۔

اور اگر راء ساکن سے قبل بلا واسطہ کسرہ ہو یعنی راء اور کسرہ کے درمیان کوئی دوسرا حرف نہ ہو جیسے وَلَا نَاصِرْ - قَدْ قُدِرْ - اَشِرْ وغیرہ یا راء ساکن کے ماقبل ایک حرف کے واسطے سے کسرہ اور وہ درمیانی حرف ساکن ہو جیسے اَلذِّكْرْ - اَلسِّحْرْ وغیرہ یا راء ساکن سے قبل یا تحتانی ساکن ہو جیسے صَيْرْ - غَيْرْ - قَدِيْرْ - خَبِيْرْ وغیرہ تو یہ راء باریک پڑھی جائے گی اور اگر راء ساکن سے پہلے یاء ساکن نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا حرف ہو اور اس حرف ساکن سے پہلے فتحہ ہو جیسے اَلْقَدْرْ یا ضمہ ہو جیسے اِلَيْهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرْ وغیرہ تو پھر راء پر پڑھی جائے گی اور اگر راء موقوفہ کے ماقبل فتحہ ہو جیسے اَلْقَمَرْ یا ضمہ ہو جیسے اَلنُّذُرْ تو بھی راء پر ہوگی۔

(۴۳) وَالْخُلْفُ فِيْ فِرْقٍ لِّكَسْرٍ يُّوْجَدُ
وَاَخْفِ تَكْرِيْرًا اِذَا تُشَدَّدُ

ت : اور اختلاف (راء کے پر اور باریک پڑھنے کا) فِرْقٍ کے لفظ میں ہے اور پوشیدہ کر تکریر کو جس وقت راء پر تشدید ہو۔

ش : فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ میں فِرْقٍ کی راء کو باریک اور پر پڑھنے میں اختلاف ہے۔ بظاہر اس راء ساکن کے مابعد حرف استعلا موجود ہے پس یہ اختلاف قاف کے کسرہ کی وجہ سے ہوا ہے بعض قراء نے اس کلمہ میں راء کو باریک پڑھا ہے اس وجہ سے کہ راء دو کسرات کے مابین ہونے کی وجہ سے کمزور ہے اور بعض قراء نے اس راء کو پُر پڑھا ہے اس

---

٤٦ رَبِّ ارْجِعُوْنِ میں باء کا کسرہ لازمی ہے لیکن چونکہ دوسرے کلمہ میں ہے اس لیے راء کو پُر ہی پڑھا جائے گا۔ (نجم الصبیح عفی عنہ)

وجہ سے کہ حرف استعلا کے مقابلہ میں کسرہ کمزور حرکت ہے بعض قراء نے دعویٰ کیا کہ اس راء کو باریک پڑھنے پر اجماع ہے مگر علامہ دانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''التیسیر'' میں فرمایا ہے کہ دونوں وجوہ صحیح ہیں اور راء کے پُر پڑھنے کا قطعی حکم دیا ہے۔ [۴۷] (ملخص از شرح جزری للشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

اور پوشیدہ کر تکریر یعنی راء کی دوہری آواز کو جس وقت کہ راء مشدد ہو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ راء میں جو تکریر ہے اس کا پوشیدہ کرنا واجب ہے چاہے راء مخفف ہو یا مشدد۔ جب راء مشدد ہو تو اس تکریر کا پوشیدہ کرنا اس لئے واجب ہے کہ مشدد جو پہلے ہی دو راء ہیں تکریر کی وجہ سے تین یا زیادہ نہ ہو جائیں اور مخفف میں اس لئے پوشیدہ کرنا واجب ہوا کہ ایک راء دو میں نہ تبدیل ہو جائے۔

یہ تکریر کا پوشیدہ کرنا تکریر سے بچاؤ کے لئے ہے اس طرح سے کہ راء کی ادائیگی کے وقت زبان کی پشت کو اوپر کے تالو سے اچھی طرح لپٹا لے کیونکہ جب پشت زبان کو تالو سے نہیں لپٹائے گا تو زبان کانپے گی اور تھرائے گی اور ہر بار تھرانے سے ایک راء پیدا ہوگی اور یہ زائد راء کا پیدا ہونا لحن جلی ہے جس سے بچنا واجب ہے۔

فائدہ: جس حرف پر تشدید کی علامت ہو اسے مشدد کہتے ہیں اور جس پر تشدید کی علامت نہ ہو اسے مخفف کہتے ہیں مشدد کے معنی سختی سے ادا کیا جانے والا اور مخفف کا مطلب سہل اور ہلکا ادا ہونے والا۔

---

[۴۷] علامہ دانیؒ نے تیسیر میں ترقیق ہی کو ترجیح دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ہیں جو فِـرْقٍ کی راء کو حرف مستعلیہ کی وجہ سے مفخم پڑھتے ہیں لیکن ترقیق معمول بہ ہے کیونکہ حرف استعلاء کے مکسور ہونے کی وجہ سے اس کی فخامت ضعیف ہوگئی ہے۔ جمہور مغاربہ اور مصریین نے راء میں ترقیق اختیار فرمائی ہے اور خُلف کا مذہب علامہ جزری یہاں مقدمہ میں اور پھر النشر میں بیان فرما رہے ہیں اور یہی خُلف کا مذہب علامہ شاطبیؒ کا بھی ہے لہٰذا ہر دو وجہ صحیح ہیں۔

بَابُ اللَّامَاتِ

لام کی حالتوں کا بیان

(۴۴) وَفَخِّمِ اللَّامَ مِنَ اسْمِ اللّٰهِ
عَنْ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ كَعَبْدُ اللّٰهِ

ت : اور تفخیم کر لفظ اللہ کے لام فتح اور ضمہ کے بعد جیسے عَبْدُاللّٰهِ

ش : لفظ اللہ کے لام میں تفخیم اختیار کرو یعنی پُر پڑھو اور یہی حکم اَللّٰهُمَّ میں بھی ہے۔ یہ لام کی تفخیم اس وقت ہوگی جب لام سے قبل فتحہ اور ضمہ آئے گا جیسے عَبْدُاللّٰهِ یعنی لفظ جب اَللّٰهُ سے قبل فتحہ ہو جیسے اَللّٰهُ۔ مِنَ اللّٰهِ یا ماقبل ضمہ ہو جیسے عَبْدُاللّٰهِ۔ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ وغیرہ۔

اور اس لام میں ترقیق اس وقت ہوگی جب لام سے ماقبل حرف مکسور ہو خواہ وہ کسرہ اسی کلمہ میں ہو جیسے لِلّٰهِ کے یا دوسرے کلمہ میں ہو جیسے فِي اللّٰهِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ وغیرہ اور چاہے وہ کسرہ عارضی ہو جیسے قُلِ اللّٰهُ۔ قُلِ اللّٰهُمَّ وغیرہ یا کسرہ لازمی ہو جیسے لِلّٰهِ۔ فِي اللّٰهِ وغیرہ کے۔

جس وقت دو لام پُر یا باریک قریب قریب آئیں تو ہر ایک کو اس کا حق دینا یعنی پر کو پُر پڑھنا اور باریک کو باریک پڑھنا واجب ہے جیسے عَلَى اللّٰهِ۔ اَحَلَّ اللّٰهُ وغیرہ کہ ان امثلہ میں پہلا لام باریک ہے اور دوسرا پُر ہے۔ اسی طرح جہاں پُر اور باریک حرف اکٹھے آئیں وہاں ہر ایک کو اس کا حق دینا ضروری ہے جیسے طَلَّقْتُمُوْهُنَّ میں کہ طاء کو پُر پڑھنا اور لام کو باریک پڑھنا ضروری ہے۔

بَابُ الْاِسْتِعْلَآءِ وَالْاِطْبَاقِ

استعلاء اور اطباق کا بیان

(۴۵) وَحَرْفَ الِاسْتِعْلَآءِ فَخِّمْ وَاخْصُصَا
الِاطْبَاقَ اَقْوٰی نَحْوُ قَالَ وَالْعَصَا

ت : اور حروف استعلاء کو پر کرو اور خاص کر حروف مطبقہ کو زیادہ قوی تفخیم سے جیسے قَالَ اور عَصَا

ش : حرف استعلاء جو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں جمع ہیں پر کر کے پڑھنا چاہیے جیسے خَالِدُوْنَ۔ صَادِقِیْنَ۔ اَلضَّآلِّیْنَ۔ اَلْغَارِمِیْنَ۔ اَلطَّآئِفَةُ۔ قَآئِمًا۔ اَلظَّالِمِیْنَ وغیرہ۔

اسی طرح جب حرف استعلا کلمہ کے درمیان میں آئے یا طرف میں یا ساکن حالت میں ہو یا متحرک ہو ہمیشہ پُر پڑھا جائے گا۔ پُر پڑھنے میں حروف اطباق کا خاص اہتمام کیا جائے اس لئے کہ اقوی حروف ہیں۔ حروف استعلاء کے سات حروف میں سے چار حروف صاد ضاد طاء ظاء بہت قوی ہیں اس لئے ان کو پُر پڑھنے کی تاکید بھی زیادہ فرما رہے ہیں۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے دو مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں قَالَ اور عَصَا ان میں سے پہلی مثال غیر مطبقہ کی اور دوسری مطبقہ کی ہے۔

فائدہ: ہمارے ملک میں جو ایک طریقہ رائج ہے کہ حروف استعلاء اور پُر راء کو پڑھتے ہوئے پیش کی بُو دیتے ہیں سو یہ بالکل غلط ہے اور اس کی کچھ اصل نہیں اور نہ فن کی کسی کتاب میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ عرب کے سارے قراء اس طرح پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ حقیقت میں کسی حرف کو پُر یا باریک پڑھنا زبان کے بلند کرنے اور پست رکھنے سے ہوتا ہے پیش کی طرح پر پڑھنے

سے نہیں۔

(۴۶) وَ بَیِّنِ الْاِطْبَاقَ مِنْ اَحَطْتُّ مَعْ
بَسَطْتَّ وَالْخُلْفُ بِنَخْلُقْكُّمْ وَقَعْ

ت : اورظاہر کرصفت اطباق کو اَحَطْتُّ میں ساتھ بَسَطْتَّ کے اوراختلاف نَخْلُقْكُّمْ میں واقع ہوا ہے۔

ش : صفت اطباق کوکلمہ اَحَطْتُّ اور بَسَطْتَّ میں باقی رکھ کر پڑھا جائے گا یعنی حرف مطبقہ اور مُنْفَتِحَہْ اکٹھے ہوں تب اطباق کوخوب ظاہر کرے اور اطباق کوانفتاح سے جدا کرے جیسے بَسَطْتَّ اور اَحَطْتُّ کے کلمات کہے۔ ایسا نہ ہو کہ طاء کا جو تاء میں ادغام کیا گیا ہے وہ بالکل تاء کے مشابہ نہ ہو جائے۔ اس کلمہ کو ادا کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ طاء کی صفت اطباق کو ظاہر کرے یعنی طاء پورے طریقے سے ادا نہ ہو بلکہ صرف اس کی صفت اطباق ظاہر ہو اس طرح سے کہ تالو سے لپٹے اور بغیر قلقلہ کے اس کی آواز سنائی دے اور سانس بند ہو جائے اور تاء اپنے مخرج سے پورے طور پر صاف ادا ہو۔[۴۸]

نَخْلُقْكُّمْ کے کلمہ میں اختلاف ہے یعنی اس بات کا اختلاف ہے کہ نَخْلُقْكُّمْ کے قاف کا جب کاف میں ادغام کیا جاتا ہے تو حرف قاف کی صفت استعلاء باقی رہے گی یا نہیں رہے گی علامہ جزری اپنی کتاب ''التمہید'' میں فرماتے ہیں۔

کہ استعلاء کا باقی رہنا یعنی ادغام ناقص یہ علامہ مکیؒ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے اور استعلاء کا باقی نہ رہنا یعنی ادغام کامل یہ امام دانیؒ اور ایک جماعت کی رائے ہے اور دونوں مذہب

---

۴۸ طاء ساکنہ کے بعد تاء کا وقوع تمام قرآن میں چار جگہ ہے۔ (۱) لَئِنْ بَسَطْتَّ (المائدہ) (۲) مَافَرَّطْتُّمْ (یوسف) (۳) اَحَطْتُّ (النمل) (۴) فَرَّطْتُّ (الزمر) اس ادغام کو ادغام ناقص کہتے ہیں اور اس کے برعکس تاء ساکن کا طاء میں ادغام کامل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ طاء قوی اور تاء ضعیف حرف ہے اس لئے تاء کا طاء میں ہر جگہ ادغام تام ہی ہوتا ہے جیسے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ۔

صحیح ہیں۔ پہلا مذہب بصریین نے اختیار کیا ہے اور دوسرے مذہب کو شامیین نے اختیار فرمایا ہے اور میں نے بھی امام دانیؒ کی موافقت میں دوسرے مذہب کو ہی اختیار کیا ہے۔ (شرح للشیخ محدث دہلویؒ)

(۴۷) وَاحْرِصْ عَلَى السُّكُوْنِ فِيْ جَعَلْنَا
أَنْعَمْتَ وَ الْمَغْضُوْبِ مَعْ ضَلَلْنَا

ت : اور بڑی خواہش اور آرزو کر حرف ساکن کے ظاہر اور روشن کرنے پر جَعَلْنَا ۔ اَنْعَمْتَ اور اَلْمَغْضُوْبِ مع ضَلَلْنَا کے۔

ش : جَعَلْنَا اور ضَلَلْنَا کے کلمات میں لام کے سکون کو خوب ظاہر کرا یسے ہی اَنْعَمْتَ اور اَلْمَغْضُوْبِ کے کلمات میں حروف ساکنہ نون اور میم اور غین کو ظاہر کرو یعنی اس بات کا اہتمام کرو کہ ان ساکن حروف میں حرکت نہ ہو جائے جیسا کہ جاہل قاری لوگ کرتے ہیں کیونکہ یہ لحن جلی ہے۔

نوٹ: یہ مضمون شرح ارجوزہ جو حضرت مصنفؒ کے صاحبزادے حضرت احمد الجزریؒ کی تصنیف ہے اس میں سے لکھا گیا ہے نیز شرح للشیخ دہلویؒ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جَعَلْنَا کے لام ظاہر کرنے میں اس بات کا خیال رہے کہ نون کی ادائیگی خراب نہ ہونے پائے اس لئے کہ لام اور نون کے مخرج قریب قریب ہیں۔

(۴۸) وَخَلِّصِ انْفِتَاحَ مَحْذُوْرًا عَسٰى
خَوْفَ اشْتِبَاهِهٖ بِمَحْظُوْرًا عَصٰى

ت : اور خالص کر صفت انفتاح کو مَحْذُوْرًا ۔ عَسٰى میں اس خوف سے کہ مشابہ ہو جائے مَحْظُوْرًا اور عَصٰى سے۔

ش : یعنی مَحْذُوْرًا کی ذال میں صفت انفتاح کو خوب صاف اور خالص ادا کر قولہ تعالیٰ:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا ○

اوراسی طرح سے عَسٰی کے سین میں بھی صفت انفتاح کوخوب واضح کر کے ادا کرو۔ قولہ تعالیٰ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ اور اس اہتمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ مَحْذُوْرًا اور عَسٰی صفت انفتاح کے ناقص ادا ہونے کی وجہ سے مَحْظُوْرًا اور عَصٰی کے مشابہ نہ ہو جائیں۔

قولہ تعالیٰ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا اور عَصٰٓی اٰدَمُ۔ دراصل حضرت مصنفؒ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اول الذکر دو کلمات میں صفت انفتاح صحیح ادا نہ ہوئی تو ذال مشابہ ظاء اور سین مشابہ صاد کے نہ ہو جائے کیونکہ یہ حروف ذال وظاء اور سین وصاد میں جدائی صفت انفتاح اور صفت اطباق کے ذریعے ہی ہوتی ہے کیونکہ ذال اور ظاء کا مخرج اور سین اور صاد کا مخرج ایک ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ یہ حروف ایک دوسرے سے جدا اور باہم ممتاز ہوں اس طرح پر کہ سننے والے کو ان دونوں میں صاف فرق اور امتیاز معلوم ہو جائے چونکہ مخرج ایک ہے لہٰذا یہ حروف صفات کے ذریعے ہی ممیز ہوں گے لہٰذا صفات کا بطور خاص خیال رکھے۔

اور یہ انہی دو کلمات میں موقوف نہیں بلکہ اس قسم کے تمام ایسے حروف میں جو ایک مخرج سے نکلتے ہوں ان کی صفات ممیزہ کو خاص اہتمام سے ادا کرے۔

(۴۹) وَرَاعِ شِدَّةً بِکَافٍ وَّبِتَا
کَشِرْکِکُمْ وَتَتَوَفّٰی فِتْنَتَا

ت : اور رعایت کر اس صفت شدت کی جو کاف اور تاء میں ہے جیسے شِرْکِکُمْ اور تَتَوَفّٰی اور فِتْنَةً۔

ش : یعنی حرف کاف اور تاء والے کلمات میں صفت شدت کی ادائیگی میں خاص اہتمام اور رعایت کر اس لئے کہ یہ دونوں حروف شدیدہ میں سے ہیں جیسے شِرْکِکُمْ اور تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اور فِتْنَةً یعنی جب کاف اور تاء مکرر ہوں جیسے شِرْکِکُمْ اور تَتَوَفّٰهُمْ وغیرہ یا

ساکن آئے جیسے فِتْنَةٌ - فِتْرَةٌ وغیرہ۔[۴۹]

اور یہ رعایت اس طرح پر ہوگی کہ سانس کو حروف میں جاری نہ ہونے دے اور یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی سے ادا ہوں کیونکہ حروف شدیدہ میں مخرج کا سانس سے الگ رہنا اور جاری نہ ہونا یہ بھی شدت ہے جیسا کہ اوپر ہم لکھ بھی آئے ہیں۔ (شرح للشیخ محدث دہلویؒ)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف شدیدہ کے متحرک ہونے کی صورت میں سانس مخرج سے جاری ہو جانے کا امکان ہوتا ہے جو غلط ہے اوپر صفات کے بیان میں لکھ آئے ہیں کہ حروف شدیدہ وہ حرف ہوتے ہیں کہ سکون اور ادغام کی حالت میں ان کی آواز مخرج میں بند ہو جاتی ہے اور بالکل جاری نہیں ہوتی اور کئی کلمات بھی سمجھانے کے واسطے وہاں لکھ دیئے ہیں کہ سکون اور حالت اُدغام میں ان میں شدت کی وجہ سے آواز بند ہو جاتی ہے اور حرکت کی حالت میں سانس کا مخرج سے جاری ہونا بھی سمجھا جاتا ہے اور حروف مہموسہ کی طرح سے سانس کا آسانی کے ساتھ بے تکلف جاری ہونا نہیں ہوتا ہے اور یہ سب باتیں غور وخوض سے ادا کرنے کے دوران صاف سمجھ میں آتی ہیں۔

بَابُ الْاِدْغَامِ

ادغام کا بیان

(۵۰) وَاَوَّلَیْ مِثْلٍ وَّ جِنْسٍ اِنْ سَکَنْ
اَدْغِمْ کَقُلْ رَّبِّ وَبَلْ لَّا وَاَبِنْ

ت : متماثلین اور متجانسین کے حروف اگر ساکن ہوں تو ان کا ادغام کرو جیسے قُلْ رَّبِّ اور بَلْ لَّا اور اظہار کر۔

---

[۴۹] حضرت شارح رحمہ اللہ نے حالت سکون میں تاء کی امثلہ تو بیان فرمائی ہیں مگر کاف کی بیان نہیں کی ہیں جیسے یَکْفُرُوْنَ - تَکْفُرُوْنَ وغیرہ۔

ش : دوحرف مثل میں کے پہلے حرف کے مثل ہو یعنی دونوں حرف مخرج اور صفت میں متفق ہوں جو پہلا حرف ہو وہی دوسرا ہو جیسے لام اور لام۔ باء اور باء۔ تاء اور تاء وغیرہ۔

ایسے ہی دوحرف جنس میں سے ہوں اور جنس کے معنی وہ دوحرف جن کا مخرج ایک اور صفات مختلف ہوں جیسے طاء اور تاء۔ ذال اور ظاء۔ دال اور تاء متجانس میں وہ دوحرف قریب المخرج بھی شامل ہوتے ہیں جن کے مخرج بالکل متصل ہوں جیسے لام اور راء وغیرہ۔[۵۰]

پس ادغام کی تعریف یہ ہے کہ مثلین یا متجانسین میں سے جب کوئی دوحرف اس طرح اکٹھے آئیں کہ ان میں کا پہلا حرف ساکن اور دوسرا متحرک ہو تب ان میں ادغام ہوگا۔

متجانسین کی مثال بیان فرمائی جیسے قُلْ رَّبِّ کہ لام اور راء کے مخرج قریب قریب ہیں اور دوحرف جو مخرج میں متفق ہوں ان کی مثال بیان نہیں کی۔ اس لئے کہ مشہور ہیں جیسے

---

۵۰ علامہ جزریؒ یہاں جو قُلْ رَّبِّ کی مثال بیان فرمارہے ہیں اس پر بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے کہ قُلْ رَّبِّ تو ادغام متقاربین کی مثال ہے۔ یہ مثال یہاں کیوں بیان ہوئی۔ اس اشکال کے دو جواب ہوسکتے ہیں۔

(۱) اکثر قراء لام۔ راء اور نون کو ایک مخرج سے کہتے ہیں اور اکثر نحات ان کے علیحدہ علیحدہ تین مخارج بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا مصنفؒ نے بیان مخارج میں تو نحات کے مذہب کو اختیار کیا تاکہ مخارج کی تعداد میں اضافہ سے حروف ومخارج میں زیادہ سے زیادہ امتیاز حاصل ہو اور اس جگہ باب ادغام میں قراء کے مذہب پر لام نون وراء کا ایک مخرج قرار دیتے ہوئے متجانسین کی مثال میں پیش کیا۔ کیونکہ ادغام کا تعلق احکام قرآءت سے ہے۔

(۲) حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ بادیؒ نے فرمایا کہ یہاں جنسین سے عام معانی مراد ہیں جو متجانسین اور متقاربین دونوں کو شامل ہیں کیونکہ ہر ایسے دوحرف جو مختلف الصفت ہوں درحقیقت وہ مختلف المخرج ہوتے ہیں لیکن شدت قرب کی وجہ سے ان دونوں کو متحد المخرج کہہ دیتے ہیں گویا دوحروف متحدہ المخرج کہیں بھی نہیں۔ انتیس حروف کے حقیقت میں انتیس ہی مخارج ہیں۔ لہٰذا متجانسین بھی حقیقت میں دو ہی مخرجوں سے ہوتے ہیں اور حضرت ناظمؒ نے متقاربین کی مثال لاکر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بَسَطْتَّ۔ اَحَطْتُّ۔ مَا فَرَّطْتُّمْ وغیرہ۔ اھ اور مثلین کی مثال بَلْ لَّا بیان کی ایسے ہی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ بھی مثلین میں سے ہے اور اظہار کرو یعنی ادغام نہ کرو کہ جس وقت کہ دو حرف مثلین یا متجانسین میں کا پہلا حرف، حرف مد ہو۔

(۵۱) فِــىْ يَـوْمِ مَــعْ قَـــالُـوْا وَهُـــمْ وَ قُـلْ نَـعَـمْ
سَبِّـــحْـــهُ لَا تُـــزِغْ قُـــلُـوْبَ فَـــالْتَـقَــمْ

ت : جیسے فِيْ يَوْمٍ ساتھ قَالُوْا وَهُمْ اور قُلْ نَعَمْ۔ فَسَبِّحْهُ۔ لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا۔ فَالْتَقَمَهُ۔

ش : فِــىْ يَوْمٍ اور قَـالُـوْا وَهُـمْ میں ادغام نہیں کیا جائے گا بلکہ اظہار ہوگا اس وجہ سے تا کہ مد طبیعی کی حفاظت ہو سکے جو کہ یاء اور واؤ میں ہے۔ ادغام کرنے سے صفت مدیت ختم ہو جائے گی لہٰذا اظہار ہوگا۔

ایسے ہی اظہار کیا جائے گا لام کا نون میں قولہ تعالیٰ قُـلْ نَـعَـمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ لام اور نون کے مخرج میں دوری ہے۔ ۵۲ھ اسی طرح اظہار ہوگا جب دونوں حرف حروف حلقیہ میں سے ہوں گے جیسے فَسَبِّـحْهُ اس وجہ سے کہ حروف حلقیہ میں ادغام مشکل ہے اور اس موقع پر ادغام کرنے سے کلمہ مشکل الاداء ہو جائے گا جب کہ ادغام آسانی کے لئے ہے۔

صرفیین کا مذہب ہے کہ حروف حلقی کا ادغام نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ منہ سے دور سینہ کے قریب ہیں اور ادا میں دشوار ہیں۔ اسی طرح ادغام نہیں ہوگا غین معجمہ کا قاف میں جیسے

اھ حضرت شارح نے متفق المخرج مختلف الصفات حروف میں تین امثلہ بیان فرمائی ہیں جو کہ تینوں ادغام ناقص سے متعلق ہیں ادغام تام کی امثلہ درج ذیل ہیں وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ۔ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ۔ قَدْ تَّبَيَّنَ۔ اِذْ ظَّلَمْتُمْ وغیرہ۔

۵۲ھ قُلْ نَعَمْ میں لام کا نون میں ادغام نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قُلْ میں عین کلمہ کے حذف کے ساتھ تعلیل ہو چکی ہے لہٰذا دوبارہ ادغام کے ساتھ کلمہ تصرف نہیں کیا گیا۔

لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور اس میں ادغام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غین اور قاف کے مخرج میں تغایر یعنی مختلف ہیں کیونکہ غین حروف حلقی ہے اور قاف حرف لہویہ ہے اگرچہ ایک طرح کا قرب بظاہر ان دونوں حروف کے مخارج میں ہے۔

ایسے ہی ادغام نہیں ہوگا لام کا تاء میں جیسے فَالْتَقَمَهُ کہ ان دونوں حروف کے مخرج میں بھی دوری ہے۔[۵۳]

فائدہ۵: پہلا حرف کہ جس کا ادغام ہوتا ہے اس کو مدغم کہتے ہیں اور دوسرا حرف جس میں پہلا حرف مدغم ہوتا ہے اس کو مدغم فیہ کہتے ہیں۔

ادغام کا مطلب ہے پوشیدہ ہونا یا داخل کرنا کہ اس میں پہلا حرف دوسرے حرف میں پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اظہار کا مطلب ہے کہ دونوں حرفوں کا ظاہر رہنا۔ ادغام کے تفصیلی قواعد صرف کی کتب میں مذکور ہیں اور حضرات مجودین جو قرآن شریف پڑھنے کے لئے ادغام و اظہار کے قواعد بیان کرتے وہ اس واسطے ہیں کہ مدغم حروف وکلمات کو بخوبی ادا کیا جا سکے۔

اب ہم یہاں ان ضروری اور اہم قواعد کو بیان کرتے ہیں جو کہ ''مرشدۃ المشتغلین'' میں تحریر کیے گئے ہیں۔

ادغام کا لغوی مطلب داخل کرنا یا چھپانا ہے اور جیسے کہا جاتا ہے ''اَدْغَمْتُ اللِّجَامَ فِيْ فَمِ الْفَرَسِ'' یعنی ''داخل کیا میں نے اور پوشیدہ کیا لگام کو گھوڑے کے منہ میں۔''

اور مجودین کی اصطلاح میں ادغام کا مطلب ہے کہ ''ساکن حرف کو متحرک حرف کے ساتھ ملا کر پڑھنا کہ وہ دونوں ایک ایسا مشدد حرف ہو جائیں کہ جن کی ادا میں زبان ایک ہی مرتبہ اٹھے۔''

---

۵۳ فَالْتَقَمَهُ اور فَالْتَقَطَهُ جیسی امثلہ میں لام کا تاء میں بالاتفاق ادغام نہیں کیونکہ لام اور تاء کے مخرج بعید ہیں اور صرف لام تعریف کا تاء میں کثرت دور کی وجہ سے ادغام ہے۔ نیز ادغام کی وجہ سے لفظ کی بنا مشتبہ ہوتی ہے۔ یعنی یہ واضح نہیں رہتا کہ مادہ لَقَمَ اور لَقَطَ ہے یا تَقَمَ اور تَقَطَ ہے۔

اور یہ حالت ایسی ہوگی کہ مدغم جب مدغم فیہ میں داخل ہوگا تو اس کی تمام صفات معدوم ہو جائیں گی مگر دو حالتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) حرف مدغم حرف غنہ نہ ہو۔(۲) یا حرف مدغم حرف مطبقہ نہ ہو کیونکہ اگر مدغم حرف غنہ یا حرف مطبقہ ہوگا تو اس وقت مدغم کے غنہ کو ادا کرنے کے سبب آواز خیشوم میں جائے گی اور پھر مدغم فیہ کے مخرج میں آئے گی اس سبب سے ان میں ایک قسم کا فصل ہوگا اسی طرح سے حرف مدغم کے اطباق کو ظاہر کرنے کے لئے زبان تالو سے لپٹے گی اور پھر مدغم فیہ کے مخرج میں آئے گی اس سبب سے ایک قسم کا فصل ہوگا جیسے مِنْ نَّاصِرِیْنَ اور بَسَطْتَّ اور اگر حرف مدغم غنہ اور اطباق میں سے نہ ہوگا تو اس وقت وہ ایک حرف مشدد کی مانند ادا ہوگا جیسے قُلْ لَّهُمْ اور قُلْ رَّبِّ وغیرہ

عرض محشی: اوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کیفیت کے اعتبار سے ادغام کی دو اقسام ہیں (۱) تام (۲) ناقص۔ اس باب میں زیادہ تر ادغام تام کو ہی بیان فرمایا گیا ہے۔ ادغام ناقص تین ہیں (۱) طاء کا تاء میں اَحَطْتُّ۔ بَسَطْتَّ وغیرہ (۲) قاف کا کاف میں جس کو حضرت شارحؒ نے یہاں ذکر نہیں فرمایا مگر بَابُ الْاِسْتِعْلَآءِ وَ الْاِطْبَاقِ میں بیان فرمایا ہے یعنی اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کا۔(۳) نون کا یاء اور واؤ میں جیسے مِنْ وَّالٍ اور مَنْ يَّقُوْلُ وغیرہ حضرت شارحؒ نے معلوم نہیں مِنْ نَّاصِرِیْنَ کی مثال کیوں ذکر فرمائی یہ تو ادغام مثلین کی مثال ہے اور مثلین میں ادغام ہمیشہ تام ہوتا ہے۔ نون کے ادغام کی بحث آگے نون ساکنہ و تنوین کے ذیل میں آرہی ہے۔

ادغام کے تین سبب ہیں (۱) تماثل (۲) تجانس (۳) تقارب۔ تماثل کی وجہ سے جو ادغام ہوتا ہے اسے ادغام مثلین کہتے ہیں اور یہ ہمیشہ تام ہوتا ہے اور تجانس یعنی ہم مخرج ہونے کی وجہ سے جو ادغام ہوتا ہے وہ ادغام متجانسین کہلاتا ہے اور تقارب کی وجہ سے ہونے والا ادغامٔ ادغام متقاربین کہلاتا ہے۔

ادغام متجانسین اور ادغام متقاربین تام بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی۔

مدغم کے اعتبار سے ادغام کی دو اقسام ہیں (۱)ادغام صغیر (۲)ادغام کبیر۔ علامہ جزری یہاں ادغام صغیر کو بیان فرمارہے ہیں۔

ادغام صغیر کی تعریف تو اوپر بیان ہو چکی یہاں ہم ادغام کبیر کی تعریف بھی بیان کرتے ہیں۔

ادغام کبیر: مدغم اور مدغم فیہ اگر دونوں متحرک ہوں اور مدغم کو ساکن کر کے مدغم فیہ میں ادغام کیا جائے تو ایسا ادغام ادغام کبیر کہلاتا ہے۔

روایت حفصؒ میں ادغام کبیر صرف پانچ کلمات میں ہوا ہے۔

(۱) تَـأْمُرُوٓنِّيٓ (الزمر)(۲) اَتُحَـآجُّوٓنِّيٓ (الانعام)(۳) مَكَّنِّيٓ (الكهف) (۴)لَا تَـأْمَنَّا (يوسف)(۵) نِـعِـمَّا (البقرة-النساء)(یہ اس سلسلے کی مختصر معلومات ہیں تفصیلی معلومات کے لئے الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ۔ المرشد فی مسائل التجوید والوقف اور شرح فوائد مکیہ سے استفادہ فرمائیں۔ قاری نجم الصبیح تھانوی)

بَابٌ فِي الْفَرْقِ بَيْنَ الظَّآءِ وَ الضَّادِ

ظاء اور ضاد کے درمیان فرق کا بیان

(۵۲) وَالضَّادَ بِاسْتِطَالَةٍ وَّ مَخْرَجٖ
مَيِّزْ مِنَ الظَّآءِ وَ كُلُّهَا تَجِيْ

ت : اور ضاد کو صفت استطالت کے ساتھ اور مخرج کے ساتھ ظاء سے جدا کر اور (ظاء) کے تمام الفاظ بیان کرتے ہیں۔

ش : ضاد معجمہ کو صفت استطالت اور مخرج کے ساتھ ظاء سے جدا کرو یعنی ضاد میں صفت استطالت کا پایا جانا اور الگ مخرج کا ہونا اس کو منفرد کرتا ہے کیونکہ اس صفت اور اس مخرج کا اور کوئی حرف نہیں ہے اور تمام ظاءات جو قرآن مجید میں آتی ہیں ہم یہاں ان کا بیان کرتے ہیں

تا کہ لوگ جان سکیں کہ ان الفاظ کے علاوہ باقی تمام الفاظ ضاد معجمہ سے ہیں۔[۵۴]

(۵۴) فِي الظَّعْنِ ظِلِّ الظُّهْرِ عُظْمِ الْحِفْظِ
أَيْقِظْ وَأَنْظِرْ عَظْمِ ظَهْرِ اللَّفْظِ

ت : ظَعْن - ظِلّ - ظُهْر - عُظْم - حِفْظ - اَيقِظْ - اَنظِرْ - عَظم - ظَهر - لَفظ میں۔

ش : یعنی ضاد اور ظاء میں فرق کر (۱) لفظ ظَعْن میں جو ظاء معجمہ سے بمعنی مسافرت (کوچ کرنا) ہے یہ قرآن مجید میں ایک مقام پر سورۂ نحل میں آیا ہے وَيَوْمَ ظَعْنِكُمْ۔

(۲) اور ظِلّ میں جو مشہور ہے اس کے معنی سایہ کے ہیں اس کی جمع ظُلَل اور ظِلَال ہے جیسے وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا (النساء) اور قرآن میں بائیس مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں۔[۵۵]
اور ظُلَّةٌ بھی اسی لفظ سے بنا ہے جیسے كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ (الاعراف) اور يَوْمِ الظُّلَّةِ (الشعراء)

(۳) ظُهْرِ ظاء مضمومہ سے یعنی زوال کا وقت اور نماز ظہر یعنی جس قدر الفاظ اس لفظ سے نکلے ہیں (ظُهْرَةٌ بھی اسی سے بنا ہے) دو مقام پر یہ مادہ آیا ہے مِنَ الظَّهِيرَةِ (النور) اور

---

[۵۴] قرآن حکیم میں حرف ضاد ایک ہزار چھ سو سات (۱۶۰۷) مقام پر آیا ہے اور حرف ظاء آٹھ سو بیالیس (۸۴۲) مقام پر آیا ہے۔ قرآن میں وہ تمام کلمات جن میں حرف ظاء آیا ہے ان کے کل مادے انتیس (۲۹) ہیں اگر ضَنِيْنٍ کو شامل نہ کیا جائے کیونکہ وہ بعض قراءات میں بالضاد اور بعض میں بالظاء ہے اگر اس کو بھی شامل کیا جائے تو پھر مادے تیس (۳۰) ہو جاتے ہیں۔ یہ تعداد اختلاف معنی کے اعتبار سے ہے اور معنی کے علاوہ اگر دیکھا جائے تو تعداد مزید کم ہوتی ہے جیسے اِنْظَارٌ - اِنْتِظَارٌ اور نَظَرٌ کو اختلاف معنی کے اعتبار سے تین شمار کیا گیا ہے۔

[۵۵] حضرت شارحؒ نے بائیس تحریر کئے ہیں شیخ رومیؒ۔ شیخ زکریا انصاریؒ اور صاحبزادہ ناظمؒ نے بھی بائیس لکھے ہیں مگر قاریؒ نے چوبیس بیان کئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو نجوم الفرقان تالیف فاضل جرمنی فلوگل۔

حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (الروم)

(۴) عُظْم یعنی بزرگی جو عظمت سے بنا ہے اور اس مادے کا پہلا سورۃ البقرہ میں آیا ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور یہ مادہ ایک سوتین مقام پر آیا ہے۔ ۵۶

(۵) اَلْحِفْظ بمعنی نگاہ رکھنا یا یاد کرنا جس کی ضد نسیان ہے اس کے الفاظ چالیس یا بیالیس ۵۷ ہیں اور اس میں کا ایک مادہ سورۃ البقرہ میں آیا ہے یعنی حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ہے۔

(۶) اَیِقظ: یہ یَقْظَةٌ بفتحتین سے نکلا ہے بمعنی بیداری یا جاگنا اور قرآن میں صرف ایک جگہ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا (الکہف) میں آیا ہے۔

(۷) اَنْظِرْ بمعنی مہلت دینا اس لفظ سے جس قدر بھی صیغے نکلتے ہیں سب میں کا پہلا سورۃ البقرہ میں آیا ہے یعنی وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ اور یہ قرآن میں بائیس جگہ پر آیا ہے۔ ۵۸

(۸) عَظْم عین مفتوحہ سے بمعنی استخوان یا ہڈی اس کی جمع عِظَامٌ ہے عین کے کسرہ سے۔ یہ پہلا سورۃ البقرہ میں آیا ہے وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ قرآن مجید میں چودہ مقام پر جمع ومفرد آیا ہے۔ ۵۹

(۹) ظَهْر ظاء مفتوحہ سے بمعنی پشت یا پیٹھ اس کی جمع ظُهُوْرٍ ہے یہ پہلا سورۃ البقرہ میں آیا

۵۶ شیخ رومی، شیخ انصاری اور ملا علی قاری رحمہم اللہ کی تقلید میں حضرت شارح نے ایک سوتین کی تعداد لکھی ہے مگر نجوم الفرقان کے حوالے سے صحیح تعداد ایک سوتیرہ ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے عَظِيْمٍ اور اَلْعَظِيْمِ پچاسی جگہ۔ عَظِيْمًا بائیس جگہ یُعَظِّمْ دو جگہ یُعْظِمْ ایک جگہ اور اَعْظَمُ تین جگہ۔

۵۷ حضرت شارح نے یہ تعداد بھی حتمی تحریر نہیں فرمائی اس کی صحیح تعداد چوالیس ہے۔

۵۸ یہ لفظ قرآن میں کل بیس جگہ آیا ہے اگرچہ عام شراح نے تعداد بائیس لکھی ہے دیکھو الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ۔

۵۹ یہ مادہ قرآن میں پندرہ جگہ آیا ہے حضرت شارح اور ملا علی قاری نے چودہ جگہ کہا ہے جو صحیح نہیں۔

ہے کِتَابَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ اور ظَھِیْرٌ بھی اس سے نکلا ہے اس کے معنی پشت پناہی کرنے والا اور مددگار جیسے وَالْمَلَآئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ اور ظِھَارٌ ظاء مکسورہ کے ساتھ اس کے معنی ہیں موافق ہونا اور مرد کا اپنی عورت کو کہنا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے جس کا بیان کتب فقہ میں ہے یہ بھی اسی سے نکلا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں آتا ہے اَلَّذِیْنَ یُظَاھِرُوْنَ مِنْکُمْ سو جس قدر الفاظ ظَھْرِ سے نکلے ہیں سب میں فرق کرو۔[۶۰]

(۱۰) اَللَّفْظِ بمعنی کلام کرنا یا بات کرنا اس کا صیغہ قرآن میں ایک جگہ سورۂ قٓ میں آیا ہے یعنی مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ۔

(۵۴) ظَاھِرْ لَظٰی شُوَاظُ کَظْمٍ ظَلَمَا
اُغْلُظْ ظَلَامِ ظُفُرِنِ انْتَظِرْ ظَمَا

ت : ظَاھِرْ- لَظٰی- شُوَاظْ- کَظْم- ظَلَمَ- اُغْلُظْ- ظَلَامِ- ظُفُر- اِنْتَظِرْ- ظَمَا۔

ش : (۱۱) ظَاھِرْ کے معنی ظاہر جو ضد ہے باطن کی اور یہ حق تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ ظُھُوْرِ کے معنی ظاہر ہونا اور غالب ہونا یا چھت پر چڑھنا یہ اس کا مصدر ہے سو اس لفظ کے جتنے صیغے ہیں سب میں ظاء ہے ضاد نہیں ہے۔[۶۱]

(۱۲) لَظٰی اس کے معنی دوزخ یا شعلہ مارنے والی آگ کے ہیں دو مقام پر اس مادے کے کلمات ہیں کَلَّآ اِنَّھَا لَظٰی (المعارج) اور فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی (الیل)

(۱۳) شُوَاظُ اس کے معنی آگ کا شعلہ ہے قرآن میں ایک جگہ آیا ہے یُرْسَلُ

---

[۶۰] حضرت شارحؒ نے ظَھْر کے مادے والے الفاظ کی تعداد بیان نہیں فرمائی یہ قرآن میں کل انیس مقام پر آئے ہیں۔

[۶۱] ظہور کے مادے والے تمام کلمات قرآن میں سینتیس (۳۷) آئے ہیں۔ اس تعداد میں ظِھَار والے کلمات شامل نہیں کیونکہ وہ ظُہر کے تحت آ چکے ہیں۔

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ (الرحمٰن)

(۱۴) كَظْم یعنی غصہ کو ضبط کرنا وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ (آل عمران) اس میں کا پہلا موقع ہے كَظِيْمٌ اور مَكْظُوْمٌ وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں یہ قرآن میں چھ جگہ آیا ہے۔

(۱۵) ظَلَمَ یہ ظاء کے ضمہ اور فتحہ دونوں سے آیا ہے اس کے معنی ظلم و ستم کرنا۔ کسی کا حق کم کرنا اور کسی چیز کا جہاں مقام نہیں ہے وہاں رکھنا اور اس لفظ سے جس قدر صیغے وارد ہیں وہ قرآن حکیم میں دوسو بیاسی ہیں[۶۲] اور ان میں کا پہلا سورۃ البقرہ میں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ آیا ہے۔

(۱۶) اُغْلُظْ یہ غَلْظَةٌ اور غِلْظَةٌ سے نکلا ہے اس کے معنی موٹائی اور سختی کے ہیں اور غَلِيْظٌ غین مفتوح سے اور غُلَاظَةٌ غین مضمومہ سے اس کے معنی موٹا اور سخت کے ہیں اس کی جمع غِلَاظَةٌ غین مکسورہ ہے اس لغت کے الفاظ قرآن میں تیرہ مقامات پر آئے ہیں۔

(۱۷) ظَلَامٌ اس کے معنی شروع رات کی تاریکی یہ لفظ ظُلْمَتٌ سے نکلا ہے جس کے معنی تاریکی ہے ظُلُمَاتٌ (لام کے فتحہ۔ ضمہ اور سکون تینوں طرح سے) اس کی جمع ظُلُمَاتٍ ثَلٰثَةٍ جس کے معنی تاریکی پیٹ وغیرہ ہیں اور بعض نے پیٹ کی تاریکی مطلب بتایا ہے اس لغت کے مادے قرآن میں چھبیس آئے ہیں۔[۶۳] جن میں کا پہلا سورۃ البقرہ میں وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ہے۔

(۱۸) ظُفُرٍ اس کے معنی ناخن ہے یہ قرآن میں ایک جگہ یعنی وَحَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (الانعام) میں آیا ہے۔

(۱۹) اِنْتَظِرْ اِنْتِظَارٌ سے نکلا ہے جس کے معنی انتظار کرنا۔ امید رکھنا، کسی چیز پر نظر رکھنا

---

[۶۲] صحیح تعداد دوسو بیاسی کی بجائے دوسو ستاسی ہے دیکھو الجواہر النقیہ صفحہ ۱۳۱۔

[۶۳] ابن المصنفؒ زکریا الانصاریؒ نے سوا اور شیخ رومیؒ و ملا علی قاریؒ اور حضرت شارحؒ نے چھبیس بیان کئے ہیں مگر صحیح پچیس ہیں تفصیل الجواہر النقیہ میں ملاحظہ کریں۔

وغیرہ کے ہیں یہ قرآن میں چار مقام پر آیا ہے[64] پہلا سورۃ الانعام میں قُلِ انْتَظِرُوْآ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ہے۔

(۲۰) ظَمَاءً یہ لفظ اس شعر میں مفعول ہے اس واسطے اس کو دوز برلاحق ہیں اور وقف میں ظَمَاءَا پڑھا جاتا ہے اور اس کے معنی پیاسا ہونا ہے اور ظِمْیٌ ظاء مکسورہ میم ساکنہ اور آخر میں ہمزہ اس کے معنی پیاس کے ہیں جس کی جمع ظَمْاٰنُ ہے۔ قرآن میں یہ تین جگہ آیا ہے

(۱) لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاءٌ (البراءۃ) (۲) وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا (طٰہٰ)
(۳) یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً. (النور)

(۵۵) اَظْفَرَ ظَنًّا کَیْفَ جَا وَعْظِ سِوٰی
عِضِیْنَ ظَلَّ النَّحْلِ زُخْرُفٍ سَوَا

ت : اَظْفَرَ – ظَنًّا جس طرح بھی آئے۔ وَعْظِ ماسوا عِضِیْنَ کے ظَلَّ النحل وزخرف میں ایک ہی طرح ہے۔

ش : (۲۱) اَظْفَرَ ظَفَرَ بفتحتین سے نکلا ہے اس کے معنی کامیابی کے ہیں قرآن میں ایک جگہ آیا ہے مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ (الفتح)

(۲۲) ظَنًّا جس طرح بھی آئے جیسے ظَنَّ اس کے معنی تہمت رکھنا اور گمان کرنا اور یقین کرنا اور گمان اور یقین ظَنُوْنَ ظاء مفتوحہ سے جس کا مطلب بدگمان شخص ظِنِیْنَ تہمت کیا گیا۔ ظَـــآنٌّ نون مشدد سے بدگمان شخص یا تہمت کیا گیا اس لفظ کا مادہ قرآن میں تریسٹھ مقام پر ہے۔[65] جس میں کا پہلا یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ (البقرہ) ہے۔

(۲۳) وَعِظْ یہ صیغہ امر کا ہے وَعْظٌ سے نکلا ہے جس کے معنی وعظ و نصیحت کرنا ہیں اور یہ

---

[64] یہ قرآن میں چودہ مقام پر آیا ہے چار کی تعیین صحیح نہیں۔

[65] حضرت شارحؒ نے تریسٹھ مقام تحریر فرمائے ہیں بعض شارحین نے سڑسٹھ بتائیں ہیں مگر ان کی کل تعداد انہتر ہے دیکھو الجواہر النقیہ صفحہ ۱۳۳۔

لفظ سورۂ النساء میں آیا ہے۔ ۲۶ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ اسی طرح سے اس لفظ کے دیگر صیغوں میں جیسے یَعِظُكُمْ وغیرہ کے ضاد سے فرق کر۔ ماسوائے لفظ عِضِيْنَ کے کہ یہ ضاد معجمہ سے ہے جو عَضْوٌ عین مفتوحہ سے نکلا ہے اس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے یہ لفظ سورۂ حجر میں آیا ہے اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ. چونکہ لفظ وَعْظٌ کا مشابہ عِضِيْنَ میں سمجھا جاسکتا تھا اس لئے حضرت مصنفؒ نے اس کا استثنا فرمایا ہے۔

(۲۴) ظَلَّ اس کے معنی کام کی ہیشگی کے ہیں جو دن میں پایا جاتا ہے قرآن مجید میں یہ نو مقام پر آیا ہے سورۂ النحل اور سورۃ الزخرف میں ایک ہی طرح یعنی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ آیا ہے۔

(۵۶) وَظَلْتَ ظَلْتُمْ وَبِرُوْمٍ ظَلُّوْا
كَالْحِجْرِ ظَلَّتْ شُعَرَا نَظَلُّ

ت : اور ظَلْتَ — فَظَلْتُمْ اور سورۂ روم میں لَظَلُّوْا مانند سورۂ الحجر کے ہے اور فَظَلَّتْ اور فَنَظَلُّ جو شعراء میں ہے۔

ش : تیسرے ظَلْتَ جو سورۂ طٰہٰ میں ہے یعنی اَلَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا چوتھے سورۂ الواقعہ میں فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ پانچواں سورۃ الروم میں لَظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ اور ایسا ہی سورۃ الحجر میں بھی آیا ہے یعنی فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ساتواں سورۃ الشعراء میں فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ اور آٹھواں بھی سورۃ الشعراء میں ہی فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ۔

یہاں قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے ضمہ کو اشباع سے پڑھو تاکہ واؤ ہو جائے البتہ قرآن میں فَنَظَلُّوْا نہیں پڑھا جائے گا۔ حضرت مصنفؒ ضرورت شعری کی وجہ سے اس طرح لائے ہیں۔

---

۲۶ حضرت شارحؒ نے وَعْظٌ کے مشتقات کی تعداد بیان نہیں فرمائی یہ تعداد میں پچیس ہیں۔

(۵۷) يَظْلَلْنَ مَحْظُوْرًا مَّعَ الْمُحْتَظِرِ
وَكُنْتَ فَظًّا وَّ جَمِيْعِ النَّظَرِ

ت : فَيَظْلَلْنَ – مَحْظُوْرًا ہمراہ اَلْمُحْتَظِرِ اور كُنْتَ فَظًّا اور تمام نَظَرَ کے مادوں میں۔

ش : نواں موقع سورۃ الشوریٰ کا یعنی فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ اس لغت کے صیغے قرآن میں بس یہی نو مقام پر آئے ہیں۔ ان نو مقامات کے علاوہ جس قدر بھی وارد ہیں وہ ضاد سے ہیں جیسے ضَلَالٍ (ضاد معجمہ مفتوحہ سے) اس کے معنی گمراہی۔ ضائع ہونا، ہلاک ہونا، کھو جانا، مغلوب ہونا، دب جانا۔ بے اختیار ہو جانا۔ جیسا کہ سورۂ یوسفؑ میں ہے اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ یعنی ہمارے والد یوسفؑ کی محبت میں مغلوب و بے اختیار ہو گئے ہیں اور جس قدر لفظ مجرد اور مزید اس لغت کے ہیں وہ سب ضاد معجمہ سے ہیں جیسے اُضِلُّ – وَاَضْلَلْنَا وغیرہ کے۔

(۲۵) مَحْظُوْرًا ظاء معجمہ سے ہے یہ حَظْرٌ ظاء مفتوحہ سے نکلا ہے اس کے معنی ہیں ہر کسی چیز کا حرام کرنا، باز رکھنا، منع کرنا یا کسی چیز کو جمع کرنا یہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (بنی اسرائیل)

پس فرق کرو تم لفظ مَحْظُوْرًا میں لفظ مُحْتَظِرِ سمیت یعنی جیسا کلمہ مَحْظُوْرًا میں فرق کیا ہے ویسا ہی مُحْتَظِرِ میں بھی فرق کرو کہ یہ کلمہ بھی ظاء معجمہ سے ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ ایک مقام پر آیا ہے كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ اور اس کے ماسوا سب کلمات ضاد سے ہیں حُضُوْرٍ سے جس کی ضد غائب ہونا ہے یعنی حُضُوْرٍ کے معنی ہوئے حاضر ہونا موجود ہونا۔

(۲۶) فَظًّا جس کے معنی بدمزاج اور سخت دل اور سخت بات کہنے والا یہ قرآن میں ایک جگہ پر آیا ہے كُنْتَ فَظًّا (آل عمران) اور اس کے مشابہ ضاد سے کلمہ ہے فَضٌّ اس کے معنی ہیں کسی چیز کو توڑنا اس طرح کہ وہ علیحدہ ہو جائے اور یہ بھی سورۂ آل عمران میں ہے یعنی لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ اور سورۃ الجمعہ میں اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا ہے پس یہ ضاد معجمہ والا

فَظَّ سے مشابہت رکھتا ہے اور اس کو ضاد اور ظاء میں فرق کرتے ہوئے پڑھنا چاہیے۔

(۲۷) نَظَرِ یعنی یہ اور اس کے مزید تمام مشتقات جو اس لفظ کے صیغے سے بنتے ہیں سب ظاء معجمہ سے ہیں اور قرآن مجید میں چھیاسی مقام میں یہ سب صیغے آئے ہیں ٦٧ اور نَظَرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو دیکھنا یا رکھنا' انتظار کرنا اور نَاظِرٌ نظر کرنے والا اور دیکھنے والا اور نگاہ بان وغیرہ پس نَظَرْ میں یہ تمام صیغے مراد ہیں یہ سب ظاء معجمہ سے ہیں۔

(۵۸) اِلَّا بِوَیْلِ هَلْ وَ اُوْلٰی نَاضِرَهْ
وَالْغَیْظِ لَا الرَّعْدِ وَهُوْدٍ قَاصِرَهْ

ت : مگر وہ نَضْرَةَ جو سورہ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ اور سورہ هَلْ اَتٰی اور (القیامہ) کے پہلے نَاضِرَةٌ میں ہے اور غَیْظَ میں نہ اس میں جو الرعد اور ہود میں بمعنی کوتاہی اور کمی والی کے ہیں۔

ش : مگر تین مقام پر مشابہ لغت نَظَرٌ کے لفظ ضاد سے آیا ہے ایک سورہ المطففین میں نَضْرَةَ النَّعِیْمِ دوسرے سورہ الدہر میں وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً اور تیسرے سورۃ القیامہ کا پہلا یعنی وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ جبکہ دوسرا موقع یعنی اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ بالظاء ہے۔ نَضْرَةً بالضاد کے معنی ہیں تازگی' سیرابی' تازہ اچھا اور ستھرا کرنا وغیرہ نَضَارَةٌ نون مفتوحہ سے تازہ رو تازہ۔ آبدار ہونا' نَاضِرٌ تازہ سرسبز پس ان تینوں مقام کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کو ظاء سے نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بالضاد ہیں۔

(۲۸) غَیْظَ اس کے معنی ہیں غصہ دلانا یا غصہ یا تیزی یا غصے کا آغاز وغیرہ یہ قرآن میں

---

٦٧ نَظَرٌ کے مشتقات تمام شارحینؒ نے چھیاسی بتلائے ہیں مگر جیسا کہ حضرت شارحؒ نے بھی اس کے معنی بیان فرمائے کہ دیکھنا' رکھنا' انتظار کرنا وغیرہ تو پھر نَظَرٌ کے صیغوں والے کلمات کی تعداد چھیانوے بنتی ہے اور اگر صرف دیکھنے کے معنی مراد لئے جائیں تو تعداد ستاسی بنتی ہے مزید تفصیلی بحث ملاحظہ ہو الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ صفحہ ۱۳۵-۱۳۶

گیارہ جگہ آیا ہے اور اس کے مشابہ بالضاد کلمہ غِیْضَ اور تَغِیْضُ ہیں جو کہ قرآن میں دو جگہ آئے ہیں۔(۱) وَغِیْضَ الْمَآءُ (ہود)(۲) وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ (الرعد) یہ دونوں صیغے غِیْضَ سے نکلے ہیں اس کے معنی ہیں پانی کی کمی، زمین میں گھس جانا، پانی کا نگل جانا، مال کی قیمت کا کم ہونا، بزرگوں کا کم ہونا، بچے کا ناتمام پیٹ سے ضائع ہونا۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس مضمون کی طرف شعر میں اشارہ بھی فرمایا ہے کہ غَیْظَ ظاء معجمہ والا یہاں مراد ہے نہ کہ تَغِیْضُ (الرعد) اور غِیْضَ (ہود) والا کیونکہ ان دونوں کے معنی قَاصِرَہْ ہیں قَاصِرَہْ کوتاہی اور کمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور غَیْظَ کے معنی بہت ہونا مراد لئے جاتے ہیں۔

(۵۹) وَالْحَظِّ لَا الْحَضِّ عَلَى الطَّعَامِ
وَفِيْ ضَنِيْنَ نِ الْخِلَافُ سَامِيْ

ت : اور حَظُّ (ظاء معجمہ سے) نہ کہ حَضَّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ والا اور ضَنِیْنَ میں خلاف بلند ہے۔

ش : (۲۹) حَظّ (ظاء مفتوحہ ومشددہ) اس کے معنی ہیں بہرہ، نصیب، بہرہ منداور بخت والا ہونا جبکہ حَضَّ (ضاد مفتوحہ مشددہ) کے معنی ہیں کسی کو کھانا کھلانے کی ''خواہش'' پس حَظّ قرآن میں سات جگہ آیا ہے جس میں کا پہلا یہ ہے

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ لَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ (آل عمران) [۶۸]

اور حَضّ (بالضاد) قرآن میں تین مقام پر آیا ہے۔

(۱-۲) وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ. (الحاقہ-الماعون)

(۳) وَلَا تَحَآضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ. (الفجر)

---

[۶۸] حَظًّا کا کلمہ قرآن میں درج ذیل سورتوں میں آیا ہے۔

(۱) آل عمران (۲-۳) النساء میں دو جگہ (۴-۵) المائدہ میں دو جگہ (۶) القصص (۷) حم السجدہ۔

اور لفظ ظَنِيْنَ میں خلاف بلند ہے یعنی اس کا اختلاف حضرات قراء میں مشہور ہے ظَنِيْنَ (بالظاء) اس کے معنی تہمت ہے فَعِيْلٌ کے وزن پر جو ظَنَّ سے نکلا ہے اور ضَنِيْنَ (بالضاد) فعیل کے وزن پر اس کے معنی بخیل اور کنجوس کے ہیں اور ضَنَّ سے نکلا ہے سو دونوں لفظ صحیح قرآءت میں ثابت ہیں۔ یہ سورۃ التکویر میں آیا ہے یعنی وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ اس کے بالضاد اور بالظاء پڑھنے میں اختلاف ہوا ہے۔

بَابُ التَّحْذِيْرَاتِ

ضاد وغیرہ کی ادا میں احتیاط کی باتوں کا بیان

(٦٠) وَإِنْ تَلَاقَيَا الْبَيَانُ لَازِمٌ
أَنْقَضَ ظَهْرَكَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

ت : اور اگر یہ دونوں حرف (ضاد و ظاء) اکٹھے آئیں تو دونوں کا روشن پڑھنا واجب ہے جیسے أَنْقَضَ ظَهْرَكَ- يَعَضُّ الظَّالِمُ

ش : اگر ظاء معجمہ اور ضاد معجمہ اکٹھے نزدیک آئیں تو دونوں حروف کو اپنے اپنے مخارج و صفات سے ادا کرنا از حد ضروری ہے تاکہ ضاد ظاء نہ ہو جائے جیسے أَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الانشراح) اور جیسے يَعَضُّ الظَّالِمُ (الفرقان) کی طرح یا اس کے علاوہ بھی اگر یہ کہیں اکٹھے آئیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح جزری میں تحریر فرماتے ہیں "بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان پر یہ مضمون پوشیدہ ہے اور ان پر واضح نہیں ہو پاتا اور ان دونوں حروف کو باہم ممتاز اور ظاہر و واضح کر کے پڑھنا ان پر آسان نہیں ہوتا۔ دراصل یہ سرزمین عرب کی خصوصیت ہے کہ وہ حرف ضاد کو صحیح مخرج اور جمیع صفات سے ادا کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر اقوام کے لوگوں کی زبان

میں یہ حرف نہیں ہے۔

اسی وجہ سے کہ عرب کے قاری صاحبان مصری عوام (نا کہ حضرات قراء کرام) کے ضاد کے تلفظ کو غلط کہتے ہیں اور یہ مسئلہ اس قدر بڑھا کہ علماء مصر نے ایک رسالہ ضاد کی ادائیگی میں رخصت اور آسانی کے ثبوت میں تحریر کیا۔ دراصل یہ رسالہ اس بات کے جواب میں لکھا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ مصریوں میں جو ظاء اور ضاد کو باہم ممتاز اور واضح کر کے نہیں پڑھتا اس کی نماز فاسد ہے اور یہی مذہب ہے علماء شوافع کا۔

بعض مشائخ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص تھا جو کہ حجاج بن یوسف ثقفی کی امامت کرتا تھا وہ شخص جب تک اس کا امام رہا اس نے الم نشرح نہ پڑھی اپنے لحن یعنی غلطی کے خوف سے کہ وہ ضاد اور ظاء کو باہم ممتاز نہیں کر سکتا تھا۔ قولہ تعالیٰ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ میں تا کہ کہیں کوئی شخص اس کی غلطی کو نہ پکڑ لے۔'' انتہی۔ (شرح الشیخ محدث دہلویؒ)

(٦١) وَاضْطُرَّ مَعْ وَعَظْتَ مَعْ اَفَضْتُمْ
وَصَفِّ هَا جِبَاهُهُمْ عَلَيْهِمْ

ت : اور (واضح کر وضا دوظاء سے طاء وتا کو) جیسے اُضْطُرَّ اور اَوَ عَظْتَ میں اور اَفَضْتُمْ میں اور صفائی سے ادا کر جِبَاهُهُمْ اور عَلَيْهِمْ کی ہاء۔

ش : ضرور روشن کرو اور واضح پڑھو ضاد معجمہ کو جب طاء مہملہ کے ساتھ آئے جیسے فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ (المائدہ) اور ایسے ہی ظاہر کر کے پڑھو ظاء کو تاء کے نزدیک جیسے سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَ عَظْتَ (الشعراء) میں۔ اسی طرح ضاد اور تاء اکٹھے آئیں تو دونوں کو ظاہر کر کے پڑھنا ضروری ہے جیسے فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ (البقرہ) میں۔

اور صاف و پاک ادا کر یا خالص اور جدا کر ھاء ھوز کو اس کی مانند ہا سے جیسے فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ (التوبہ) میں ایسے ہی جدا اور واضح کر کے پڑھو ھاء کو یاء سے جیسے عَلَيْهِمْ سے اور صاف اور جدا کر کے پڑھو ھاء کو ھمزہ سے جیسے اِهْدِنَا میں۔

اس واسطے کہ ھاء حرف خفی یعنی پوشیدہ حرف ہے پس اس کو پڑھتے ہوئے ضروری ہے کہ اسے خوب واضح طریقہ سے پڑھا جائے خصوصاً جب اپنے ہم مثل کے نزدیک آئے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ تجوید کا حق یہی ہے کہ ہر حرف میں اس کی صفات کو ملحوظ رکھے پھر ان میں بھی جو حروف بطور خاص بیان کر کے واضح کئے ہیں جیسے تاء اور کاف اور ھاءٔ ضاد۔ظاء وغیرہ جیسا کہ پچھلے اشعار میں وضاحت ہوئی یہ اس وجہ سے ہے تا کہ زبان ان کی ادا میں مہارت حاصل کر لے اور حروف کی صفات کی پہچان ہو جائے کیونکہ حروف کی خوبصورتی اس کے مخارج وصفات کی حفاظت اور رعایت میں پوشیدہ ہے نیز خاص طور پر جو حروف حضرت مصنفؒ نے بیان فرمائے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان کی اداء کی حفاظت اور رعایت میں غفلت کرتے ہیں یا یہ سبب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حروف اپنے سوا دوسرے حروف سے مشابہ ہیں پس ان وجوہ کی بناء پر قرآن کے بعض حروف کو بطور خاص بیان فرمایا اور مثالیں بھی بیان فرمائی جیسے **بِشِرْكِكُمْ** اور **جِبَاهُهُمْ** وغیرہ اور یہ اس سے قبل باب استعلا والاطباق اور باب التحذیرات کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں اور ان کو یہاں مکرر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تا کہ لوگ ان عیوب سے باخبر ہو جائیں اور ان کو صحیح ادا کرنے کی طرف توجہ کریں۔ **وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ** (ماخوذ از شرح الشیخ محدث دہلویؒ)

بَابُ اَحْكَامِ النُّوْنِ وَالْمِيْمِ الْمُشَدَّدَتَيْنِ وَالْمِيْمِ السَّاكِنَةِ

نون ومیم مشدد اور میم ساکنہ کا بیان

(۶۲) وَاَظْهِرِ الْغُنَّةَ مِنْ نُّوْنٍ وَّمِنْ
مِيْمٍ اِذَا مَا شُدِّدَا وَاَخْفِيَنْ

(۶۳) اَلْمِيْمَ اِنْ تَسْكُنْ بِغُنَّةٍ لَّدَا
بَآءٍ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا

ت : اور ظاہر کر غنہ کو نون ومیم میں جب کہ وہ مشدد ہوں اور اخفاء کر، میم کا اگر ساکن ہو غنہ کے ساتھ باء کے قریب اہل اداء کے قول مختار کی رو سے۔

ش : نون مشدد و میم مشدد میں صفت غنہ کو ظاہر کرو پس جان لو کہ غنہ ایک صفت ہے جو میم اور نون کی لازمی صفت ہے یعنی دونوں حروف میں یہ صفت ہر وقت پائی جاتی ہے۔ چاہے یہ دونوں حروف متحرک ہوں یا ساکن اظہار کی حالت میں ہوں یا حالت اخفاء میں یا حالت ادغام غنہ ہر حال میں موجود ہوتا ہے۔

غنہ حرکت کی بہ نسبت سکون میں زیادہ ہوتا ہے اور اظہار کی بہ نسبت اخفاء میں کامل ہوتا ہے اور اخفاء کی حالت سے بھی زیادہ ادغام کی حالت میں ہوتا ہے۔

ایک اخفاء اظہار کی ضد ہے اور ایک اخفاء ادغام کی ضد اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مشدد کی بجائے مدغم ہوتا ہے علامہ جزریؒ نے مشدد کہا ہے اور تشدید دونوں کو شامل ہے کہ دونوں مدغم ہوں ایک لفظ میں یا دو لفظوں میں یا دونوں مشدد ہوں اب مثالیں ملاحظہ کرو۔

نون مدغم ایک لفظ میں: اَلْجَنَّةُ — مَنَّ — اِنَّا۔

نون مدغم دو لفظوں میں: مِنْ نَّاصِرِيْنَ — اَنْ نَّقُوْلَ ۔

نون مشدد غیر مدغم جیسے اَنَّ — اِنَّ

میم مدغم ایک لفظ میں: تَمَّ — هَمَّ

میم مدغم دو کلموں میں: مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ — كَمْ مِّنْ۔

میم مشدد بغیر ادغام: لَمَّا — اَمَّا — تَمَّ — ثُمَّ۔

خلاصہ یہ کہ مشدد عام ہے جو مدغم و مشدد دونوں کو شامل ہے اور ادغام ایک کلمہ میں بھی ہوتا ہے اور دو کلموں میں بھی اور تشدید بغیر ادغام کے ایک کلمہ میں بھی ہوتی ہے۔

میم ساکن کے تین احوال ہیں۔

(۱)ادغام(۲)اخفاء(۳)اظہار

(۱) ادغام: میم کا ادغام یہ ہے کہ اپنے مثل میں ادغام کی جاتی ہے جیسا کہ ادغام کے بیان میں معلوم ہو چکا۔

(۲)اخفاء: میم کا اخفاء اس وقت ہوگا جب میم کے بعد باء موحدہ آئے گی اور یہ قول مختار ان اہل اداء سے منقول ہے جو حضرات قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھتے ہیں پس انہوں نے کہا ہے کہ میم ساکن کا اخفاء صرف باء موحدہ کے میم سے متصل مابعد آنے پر ہوگا۔ جمہور اس کو اخفاء کہتے ہیں اور اسی پر اختیار و عمل کرتے ہیں علامہ دانیؒ کا یہی مذہب ہے اور بعض حضرات باء آنے پر اظہار کرتے ہیں اور یہ علامہ مکیؒ کا مذہب ہے مگر یہ کم اور غیر مختار ہے۔ علامہ جزریؒ اپنی کتاب ''التمہید'' میں فرماتے ہیں کہ ہمارا عمل اخفاء پر ہے اور اس کے بعد علامہ جزریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد ابن الجندیؒ نے اختلاف کیا ہے کہ جب میم ساکن کے بعد باء آئے تو اظہار ہوگا مگر صحیح اور قابل تحقیق بات یہی ہے کہ اس موقع پر اخفاء کیا جائے۔ چاہے میم کا سکون اصلی ہو جیسے اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یا اس کا سکون عارضی ہو جیسے وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ (ماخوذ از شرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

اخفاء کی حقیقت یہ ہے کہ میم اپنے اصل مخرج سے ہٹ کر خیشوم سے ادا ہو جیسا کہ تفصیلی بیان باب مخارج الحروف میں ہو چکا ہے۔

(۶۴) وَاَظْهِرَنْهَا عِنْدَ بَاقِي الْاَحْرُفِ
وَاحْذَرْ لَدَا وَاوٍ وَّفَا اَنْ تَخْتَفِيْ

ت : اور اظہار کر میم ساکنہ کا باقی حروف کے نزدیک اور واؤ اور فاء کے نزدیک پرہیز اس بات سے کہ اخفاء کرے میم کو۔

ش : میم میں ادغام اور باء میں اخفاء کے علاوہ باقی تمام حروف میں میم ساکنہ کا اظہار کرو

چاہے میم ایک کلمہ میں ہو جیسے وَ تَمْتَرُوْنَ - وَ یَمْشُوْنَ وغیرہ یا دو کلموں میں ہو جیسے مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِیْ - وَذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ وغیرہ۔

اور اس بات کا خاص خیال رکھو کہ جب میم کے بعد واؤ اور فاء آئیں تو ان کو خوب اچھی طرح اظہار کر کے پڑھو واؤ اور فاء کے نزدیک میم کے اظہار کا اہتمام کرنا اس لئے ضروری ہوا کہ کہیں اخفاء نہ ہو جائے اس واسطے کہ میم اور واو اور فاء کا مخرج شفتین ہے اور اس بات پر قیاس نہ کیا جائے کہ باء جو کہ حرف شفویہ ہے اس میں اخفاء ہو رہا ہے تو فاء اور واؤ میں بھی ہوگا یہ بالکل غلط ہے اور جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اور یہ لحن یعنی غلطی ہے۔ ابن المصنف علامہ احمد الجزریؒ نے اپنی شرح ''الحواشی المفهمه'' میں یہی تحریر فرمایا ہے جیسے یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ اور عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ.

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ ''میم کا اظہار واؤ اور فاء کے نزدیک مشہور ہے اور یہاں اظہار کی تاکید اس شبے سے بچنے کے لئے ہے جو کہ بعض لوگوں میں رائج ہے وگرنہ قول مختار اور پسندیدہ مذہب کے مطابق باء اور میم کے علاوہ بقایا تمام حروف میں صرف اظہار ہی ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ میم ''بُوف'' کے حرف کے پاس اظہار کی جاتی ہے سو یہ بات اس قول کی متابعت میں ہے جو کہ ہم اوپر بیان کر کے آئے ہیں کہ جس کے مطابق یہ گمان کیا گیا کہ میم کا باء کے نزدیک اظہار کیا جائے گا اور اس مذہب کا کمزور اور غیر پسندیدہ ہونا ہم تحریر کر آئے ہیں اور بُوف کے حروف میں البتہ واؤ اور فاء کے نزدیک میم میں اظہار ہی ہوگا پس ایسے موقع پر میم کا سکون پوری طرح ادا کرنا چاہیے اور یہ نہ ہونے پائے کہ میم کا سکون حرکت کے مشابہ ہو جائے جیسے بعض جاہل لوگ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور يَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ جیسے مواقع میں میم کے کسرہ کے مانند پڑھتے ہیں یہ فاحش غلطی اور خطا ہے ہمارے اساتذہ کرامؒ نے ایسے ہی فرمایا ہے۔ انتہیٰ''

بَابُ اَحکَامِ النُّوْنِ السَّاکِنَةِ وَالتَّنْوِیْنِ

نون ساکنہ اور تنوین کا بیان

(٦٥) وَحُکْمُ تَنْوِیْنٍ وَّ نُوْنٍ یُّلْفٰی
اِظْهَارٌ نِ ادْغَامٌ وَّ قَلْبٌ اِخْفَا

ت : اور حکم تنوین اور نون ساکن کا پایا جاتا ہے اظہار ادغام اور قلب' اخفاء۔

ش : دوزبر دوزیر دوپیش یعنی تنوین اور نون ساکن کو اب میں بیان کروں گا۔اس کے چار احکام ہیں۔

(۱) اظہار (۲) اِدغام (۳) قلب (۴) اخفاء

پس جان لو کہ تنوین ایسا نون ساکن ہے جو اسم کے آخر میں لاحق ہوتا ہے صرف حالت وصل میں وقف کی حالت میں یہ نہیں پایا جاتا۔حالت وصل میں بولنے میں تو آتا ہے مگر لکھنے میں نہیں آتا ہے جبکہ نون ساکن بولنے اور لکھنے میں اور وصل و وقف دونوں حالتوں میں ہوتا ہے اور نون ساکن کلمہ کی تمام اقسام یعنی اسم۔فعل اور حرف میں پایا جاتا ہے اور یہ کلمہ کے درمیان اور کنارے دونوں مقام پر آتا ہے آگے نون ساکن وتنون کے چار احکام کی تفصیل حضرت مصنفؒ بیان کر رہے ہیں۔

(٦٦) فَعِنْدَ حَرْفِ الْحَلْقِ اَظْهِرْ وَ ادَّغِمْ
فِی اللَّامِ وَ الرَّا لَا بِغُنَّةٍ لَّزِمْ

ت : نون ساکن اور تنوین کا حرف حلق کے نزدیک اظہار کر اور ادغام کر' لام وراء میں غنہ کے ہمراہ لازم نہیں ہے۔

ش : (۱) اظہار: نون ساکن اور تنوین کا پہلا حکم اظہار ہے۔اظہار کا مطلب ہے صاف

واضح کر کے نون ساکن وتنوین کو پڑھو یعنی اس کے مخرج سے ادا کرو اور اس کے سکون کو پورا پورا صحیح ادا کرو۔ اظہار اس وقت ہوگا جب نون ساکن اور تنوین کے بعد چھ حروف حلقی میں سے کوئی آئے گا اور اس اظہار کی وجہ یہ ہے کہ نون کا مخرج اور حروف حلقی کے مخرج آپس میں دور ہیں اس لئے ادغام کرنا صعوبت کا باعث ہوگا اس لئے اظہار کیا گیا نون ساکن حروف حلقیہ کے ساتھ آنے کی بارہ صورتیں ہوں گی چھ ایک کلمہ میں اور چھ دو کلموں میں۔

ایک کلمہ کی امثلہ: يَنْـَٔوْنَ - يَنْهَوْنَ - اَنْعَمْتَ - وَانْحَرْ - فَسَيُنْغِضُوْنَ - اَلْمُنْخَنِقَةُ -

دو کلموں کی امثلہ: مَنْ اٰمَنَ - مَنْ هَاجَرَ - مِنْ عِلْمٍ - مِنْ حَالٍ - مِنْ غِلٍّ - اِنْ خِفْتُمْ۔

اور تنوین ہمیشہ حرف حلقی کے ساتھ دو کلموں میں آئے گی کیونکہ تنوین کلمہ کے آخر میں ہوتی ہے پس اس کی چھ صورتیں پائی جاتی ہے: عَادٍ اِذْ - اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ - حَقِيْقٌ عَلٰى - نَارٌ حَامِيَةٌ - مَآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ - يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ۔

(۲) ادغام: دوسرا حکم ادغام کا ہے۔ یہ دو حروف میں ہوتا ہے یعنی نون تنوین اور نون ساکن جب لام اور راء کے نزدیک آئیں تو ادغام ہوگا اور یہ بغیر غنہ کے ہوگا اور اس بات کا خوب اہتمام کرو کہ غنہ نہ ہونے پائے۔ [۷۹]

یہ حروف يَرْمَلُوْنَ میں سے دو حرف ہیں اور ان کا مجموعہ رَلْ ہے اور ان میں ادغام بلا غنہ ہوتا ہے۔ ادغام کا مقصد یہ ہے کہ تخفیف حاصل ہو یعنی بسہولت ادا ہو اور چونکہ غنہ کے باقی رہنے

---

[۷۹] علامہ جزریؒ کے طریق میں حفص اور بعض دیگر ائمہ کے لئے لام وراء میں نون وتنوین کا ادغام بالغنہ اور بلا غنہ دونوں جائز ہیں مگر نون کے لئے یہ شرط ہے کہ مرسوم ہو اس وجہ سے علامہ جزریؒ نے اپنے مذہب کے مطابق شعر میں فرمایا کہ ''غنہ کے ہمراہ لازم نہیں ہے۔'' مگر بطریق علامہ شاطبیؒ لام اور راء میں صرف ادغام بلا غنہ ہی ہے دونوں طریق کا فرق اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

میں ثقل اور گرانی پائی جاتی ہے اس لئے ادغام بلا غنہ کا حکم دیا۔

نون ساکن مدغم کی لام میں بلا غنہ کی امثلہ: وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ - مِنْ لِّيْنَةٍ۔

نون ساکن مدغم راء میں: مِنْ رَّبِّكَ - مِنْ رِّزْقٍ۔

نون تنوین مدغم لام میں: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ - خَيْرٌ لَّكُمْ۔

نون تنوین مدغم راء میں: ثَمَرَةٍ رِّزْقًا - غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(٦٧) وَاَدْغِمَنْ بِغُنَّةٍ فِيْ يُوْمِنَ
اِلَّا بِكِلْمَةٍ كَدُنْيَا عَنْوَنُوْا

ت: اور ادغام کر غنہ کے ساتھ يُوْمِنْ کے حروف میں مگر نہیں ہوگا دُنْيَا اور عَنْوَنُوْا میں۔

ش: نون ساکن وتنوین میں ادغام مع الغنہ ہوگا چار حروف يُوْمِنْ میں اس وجہ سے کہ ان میں ادغام مع الغنہ ثقل کا باعث نہ ہوگا۔ حروف يَرْمَلُوْنْ کے چھ حروف میں تو ادغام ہے اور اس میں کے دو حروف لام وراء میں ادغام بلا غنہ ہے جس کا بیان پچھلے شعر میں ہوا اور بقایا چار حروف يُوْمِنْ کا ادغام مع الغنہ کے متعلق اس شعر میں بتاتے ہیں اس کی مثالیں نون تنوین وساکن میں یاء - واؤ - میم اور نون میں اس طرح ہیں:

نون تنوین کی امثلہ: فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ - جَنّٰتٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ - مُتَشَابِهًا وَّلَهُمْ - هُدًى وَّنُوْرٌ - قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ - يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ

نون ساکن کی امثلہ: مَنْ يَّقُوْلُ - اِنْ يَّرَوْا - مِنْ وَّرَآئِهِمْ - مِنْ وَّلِيٍّ - مَنْ مَّعَهٗ - مِنْ مَّآءٍ - عَنْ نَّفْسٍ - مَنْ نَّشَآءُ۔

خلاصہ یہ ہے کہ نون تنوین وساکن کا حروف يَرْمَلُوْنْ میں ادغام کیا جاتا ہے حروف رَلْ میں بلا غنہ اور حروف يُوْمِنْ میں مع الغنہ۔

اور یہ ادغام دو کلمات میں تو ہوگا جیسا کہ اوپر امثلہ گزریں مگر نون ساکن وتنوین اگر ایک کلمہ

میں آ ئیں تو ادغام نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے کیونکہ ایسے الفاظ میں ادغام کرنے سے مضاعف کے ساتھ مشابہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں۔

(۱) دُنْيَا (۲) قِنْوَانٌ (۳) صِنْوَانٌ (۴) بُنْيَانٌ

حضرت مصنفؒ نے عُنْوٌ سے عُنْوَانٌ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور قِنْوَانٌ اور صِنْوَانٌ کی جانب نُوْ سے اشارہ کیا ہے ؎ے اس قسم کے الفاظ بس یہ چار ہی قرآن میں آئے ہیں دو کلمے تو وہ ہیں جن میں نون ساکن کے بعد یاء ہے جیسے دُنْيَا اور بُنْيَانٌ اور دو کلمے ایسے ہیں کہ جن میں نون ساکن کے بعد واؤ ہے جیسے قِنْوَانٌ ۔ صِنْوَانٌ۔

پس اگر ان کلمات میں ادغام کیا جاتا تو یہ دُيَّا ۔ بُيَّانٌ ۔ قِوَّانٌ اور صِوَّانٌ پڑھے جاتے اور یہ کلمات مضاعف کے ساتھ مشابہ ہو جاتے جبکہ حقیقت میں یہ کلمات مضاعف نہیں ہیں۔

فائدہ: مرشدة المشتغلين میں لکھا ہے کہ نون ساکن اور تنوین دونوں حرف غنہ ہیں اور دونوں کے واسطے حرف مد کے مشابہ ہونا ضروری ہے تو نون تنوین اور نون ساکن یاء اور واؤ کی مانند ہوئے مد کی وجہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نون ساکن اور تنوین کے غنہ کو ادا کرتے وقت کسی قدر تاخیر کرے جیسا مد میں ہوتی ہے اور اس دیر کی مقدار کا اندازہ حتمی نہیں ہاں یہ ہے کہ غنہ کے ادا کرنے میں مد طبیعی کے مطابق تاخیر کرے اور مد طبیعی کا اندازہ ایک الف کے برابر ہے راقم نے

؎ے حضرت مصنفؒ نے شعر میں دُنْيَا اور عَنْوَنُوْا کی مثالیں ذکر فرمائی ہیں مگر عَنْوَنُوْا کوئی قرآنی کلمہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وزن شعری کی تنگی کی وجہ سے حضرت مصنف کلمہ قرآنی نہیں لا سکے۔ مقدمہ کے ایک اور نسخے میں عَنْوَنُوْا کی بجائے صِنْوَنُوْا کا لفظ آتا ہے وہ ایک لحاظ سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ قرآنی صِنْوَانٌ کی جانب اشارہ دیتا ہے مگر بغور دیکھا جائے تو عَنْوَنُوْا میں معنوی خوبی ہے وہ یہ کہ یہ لفظ عُنْوَانٌ سے ہے جیسا کہ حضرت شارحؒ نے بھی کہا اور اس کا مطلب ہے کسی مسئلہ کا موضوع، یعنی یہ وہ موضوع ہے کہ جس میں شامل کلمات واحدہ میں ادغام نہیں کیا جاتا تا کہ ادغام کی وجہ سے کلمہ کی ہیئت تبدیل نہ ہو اور وہ مضاعف سے ملتبس نہ ہونے پائے۔

اپنے استاذ محترم اور مصر کے دیگر مشائخ قراء سے یہی سنا ہے۔شاید ان کو یہ دوسری کتب سے معلوم ہوا ہو۔

(٦٨) وَالْقَلْبُ عِنْدَ الْبَابِغُنَّةٍ كَذَا
اِخْفَا الَدٰى بَاقِى الْحُرُوْفِ اُخِذَا

ت : اور (تیسرا حکم نون تنوین وساکن کا) قلب ہے یہ باء کے قریب آنے سے غنہ کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اخفاء باقی حروف میں کیا جائے۔

ش : اقلاب: نون ساکن وتنوین کا تیسرا حکم قلب یا اقلاب کا ہے۔

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نون ساکن وتنوین کے بعد باء آجائے۔اس میں نون ساکن و تنوین میم سے بدل دی جاتی ہے اور غنہ بھی ہوتا ہے قلب کے معنی بدلنے کے ہیں۔

اور اس کو قلب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نون تنوین وساکنہ کے بعد باء موحدہ کو میم مخفیہ سے بدلا جائے۔یہ ایک کلمہ میں بھی ہوسکتا ہے اور دو کلموں میں بھی۔

ایک کلمہ کی امثلہ: اَنْۢبِئْهُمْ – اَنْۢبَتَهُمْ – فِيْ جُنُۢبِ وغیرہ۔

دوکلمہ کی امثلہ: اَنْۢ بُوْرِكَ – مِنْۢ بَعْدِ وغیرہ۔

اور نون تنوین اور باء ہمیشہ دو کلموں میں ہی آتی ہیں جیسے عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ – صُمٌّۢ بُكْمٌ وغیرہ

نون ساکن اور تنوین میں اقلاب کا طریقہ یہ ہے کہ باء کو میم سے بدلا گیا اور صفت غنہ کو بقدر ایک الف خیشوم سے ادا کیا گیا اور اطباق شفتین کیا گیا جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہوا۔

اقلاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نون تنوین وساکنہ کا باء میں ادغام نہیں ہوتا اس لئے کہ مخرج کا اختلاف ہے اور اظہار بھی ممکن نہیں کہ مخرج میں بہت زیادہ دوری بھی نہیں لہٰذا قلب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے نون ساکنہ وتنوین کے ساتھ باء آنے سے جو ثقل پیدا ہوا اسے باء کے ہم مخرج حرف میم سے بدل لیا جو کہ نون کے ساتھ صفات میں شریک ہے بالخصوص غنہ میں۔

اخفاء: نون ساکنہ وتنوین کا چوتھا حکم اخفاء ہے۔نون ساکن وتنوین کے قریب حروف حلقی آئیں تو اظہار ہے۔حروف یَـرْمَـلُوْنَ آئیں تو ادغام ہے حرف باء آئے تو اقلاب ہے یعنی جو مخرج دور ہیں ان میں اظہار کیا گیا اور جو مخرج قریب ہیں ان میں ادغام کیا گیا اور حرف باء میں اقلاب کیا گیا پس اخفاء ان حروف میں کیا جاتا ہے جو کہ نہ تو حروف حلقی جیسے دور ہیں اور نہ حروف یَـرْمَـلُوْنَ جیسے قریب ہیں پس ان درمیانی کیفیت والے حروف میں اخفاء اختیار کیا گیا کیونکہ اخفاء ایک ایسی درمیانی کیفیت کا نام ہے جو اظہار اور ادغام کے بین بین ہے۔

ادغام اور اخفاء میں دو لحاظ سے فرق ہے۔

(۱) اخفاء ایک ایسی حالت ہے جس میں تشدید نہیں ہوتی جبکہ ادغام میں تشدید کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

(۲) اخفاء خود حرف مخفاۃ کی ذات میں ہوتا ہے جب حرف مخفاۃ اپنے غیر کے قریب آتا ہے اور غیر میں اخفاء نہیں ہوتا مخفاۃ یعنی اخفاء کیا گیا حرف۔اس کو مثال سے ایسے سمجھو جیسے کُـنْـتُـمْ کا اخفاء کہ نون حرف مخفاۃ ہے پس تاء کے قرب کی وجہ سے اس میں ادغام نہیں ہوا اس کے برعکس ادغام اس غیر حرف میں ہوتا ہے جیسے مِـنْ وَّرَآئِهِمْ کے کہ مدغم جو حرف نون ہے وہ واؤ میں جو کہ مدغم فیہ ہے بالکل پوشیدہ ہو گیا ہے جبکہ اخفاء میں نون ساکن وتنوین کی کیفیت باقی رہتی ہے جیسا کہ ہم اوپر تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔

اب یہ بات ذہن نشین کرلو کہ چھ حروف حلقی کہ جن میں اظہار ہے اور چھ حروف یَـرْمَـلُوْنَ کہ جن میں ادغام ہے اور ایک حرف الف کہ جو نون ساکن وتنوین کے بعد اکٹھا نہیں آتا یہ اور ایک حرف باء جس میں اقلاب ہوتا ہے یہ کل چودہ حروف نکال دیئے تو باقی پندرہ حروف باقی رہ گئے۔ان پندرہ حروف میں اخفاء ہوتا ہے۔[1]

---

[1] پندرہ حروف اخفاء اس طرح ہیں:
(۱)ت (۲)ث (۳)ج (۴)د (۵)ذ (۶)ز (۷)س (۸)ش (۹)ص (۱۰)ض (۱۱)ط (۱۲)ظ (۱۳)ف (۱۴)ق (۱۵)ک۔

پس نون ساکن کا اخفاء ایک کلمہ میں بھی ہوا ہے اور دو کلموں میں بھی اور نون تنوین کا ظاہر ہے کہ دو کلموں میں ہی ہوگا "مرشدة المشتغلين" میں تحریر ہے کہ اس میں تمام قراء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نون ساکن اور تنوین میں صفت غنہ کو برقرار رکھتے ہوئے متصل و منفصل اخفاء ہوتا ہے۔ اب ہم ان پندرہ حروف کے اخفاء کی امثلہ بیان کرتے ہیں:

حرف اخفاء	ایک کلمہ میں	دو کلمہ میں	نون تنوین میں
ت	اَنْتُمْ	اِنْ تَصْبِرُوْا	يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ
ث	مَنْثُوْرًا	مِنْ ثَمَرَةٍ	قَوْلًا ثَقِيْلًا
ج	فَاَنْجَيْنَاهُ	اِنْ جَنَحُوْا	فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ
د	اَنْدَادًا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	كَاْسًا دِهَاقًا
ذ	اَنْذَرْتَهُمْ	مَنْ ذَا الَّذِىْ	ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ
ز	تَنْزِيْلٌ	فَاِنْ زَلَلْتُمْ	نَفْسًا زَكِيَّةً
س	تَنْسَوْنَ	عَنْ سَيِّاٰتِكُمْ	قَوْلًا سَدِيْدًا
ش	يَنْشُرُ رَحْمَةً	اِنْ شَآءَ	شَيْءٍ شَهِيْدٌ
ص	يَنْصُرُكُمْ	مِنْ صُلْحٍ	قَوْمًا صَالِحِيْنَ
ض	مَنْضُوْدٍ	مِنْ ضَرِيْعٍ	عَذَابًا ضِعْفًا
ط	اَنْطَقَنَا	فَاِنْ طِبْنَ	صَعِيْدًا طَيِّبًا
ظ	اُنْظُرُوْا	مِنْ ظُهُوْرِهِمْ	ظِلًّا ظَلِيْلًا
ف	يُنْفِقُ	فَاِنْ فَآؤُا	سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

ق	یَنقَلِبُ	مِنْ قَرَارٍ	بِتَابِعٍ قِبْلَتَھُمْ
ک	اَنْکَالًا	اِنْ کُنْتُمْ	رِزْقٌ کَرِیْمٌ

یہ بات بھی ذہن نشین کرلو کہ نون ساکن کا ایک کلمے کا اخفاء تو وصل و وقف دونوں حالتوں میں ہوگا مگر نون ساکن کا دوکلموں کا اخفاء اور نون تنوین کا اخفاء حالت وصل میں تو ہوگا حالت وقف میں نہیں ہوگا۔

بَابُ الْمَدَّاتِ

اقسام مد کا بیان

لغت میں مد کے معنی کشش اور زیادتی کے ہیں اور مجودین کی اصطلاح میں آواز کی زیادتی اور درازی کے ہیں حروف مدتین ہیں (۱) الف جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہو۔ (۲) واؤ ساکن جس کا ماقبل مضموم ہو۔ (۳) یاء ساکن کہ جس کا ماقبل مکسور ہو۔

الف اور واؤ کی مثال قَالُوْا یاء کی مثال قِیْلَ اور تینوں حروف اس کلمہ میں جمع ہیں نُوْحِیْھَا

مد کی دو اقسام ہیں:

(۱) مد اصلی: اسے مد طبیعی بھی کہتے ہیں اور یہ مد طبیعی ان حرفوں کی ذاتی مقدار ہے جو کسی سبب پر موقوف نہیں ہوتی۔ اسے حرف کی ذات سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے اور مد طبیعی اپنی حرکت کی مقدار سے زیادہ نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کم کیا جا سکتا ہے یہ مقدار یعنی اندازہ حاصل ہوتا ہے حرکات ثلاثہ یعنی فتحہ، ضمہ اور کسرہ کے پورا ادا کرنے سے اور کسی قدر اس حرکت کے اشباع سے۔ اشباع کے معنی ہیں خوب اچھی طرح ادا کرنا۔ مد طبیعی کی مقدار ایک الف ہے اور اس کو مد طبیعی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ طبیعت اس مد کو خود بغیر تکلف کے دراز کرتی ہے اور اگر اس کو اس کی طبیعی مقدار کے

مطابق نہ کھینچا جائے اور کم یا زیادہ کیا جائے تو وہ خود کو محسوس ہوتی ہے۔

(۲) مد فرعی: مد کی دوسری قسم مد فرعی ہے جو علماء تجوید میں مشہور ہے اور کتب تجوید میں اسی مد کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ مد فرعی کے دو سبب ہیں۔

(۱) ہمزہ (۲) سکون

یعنی اگر ہمزہ یا سکون حرف مد کے بعد آئیں تو مد فرعی ہوگا اب آگے حضرت مصنفؒ مد کا بیان شروع فرماتے ہیں۔

(۶۹) وَالْمَدُّ لَازِمٌ وَّوَاجِبٌ اَتٰی
وَجَآئِزٌ وَّهُوَ وَقَصْرٌ ثَبَتَا

ت : اور مد لازم اور واجب آئے ہیں اور جائز میں (مد) اور قصر دونوں ثابت ہوئے ہیں۔

ش : یعنی مد کی تین اقسام ہیں۔

(۱) مد لازم (۲) مد واجب (۳) مد جائز۔

اور ان مدود ثلاثہ کے علاوہ قصر کو بھی بیان فرما رہے ہیں کہ اپنے مقام میں تینوں ادا کئے جاتے ہیں۔ مقدار مد ڈیڑھ الف سے لے کر چار الف تک ہے اور مقدار قصر ایک الف ہے۔ اب آگے حضرت مصنفؒ تینوں اقسام مد کو ترتیب سے بیان فرما رہے ہیں۔

(۷۰) فَلَازِمٌ اِنْ جَآءَ بَعْدَ حَرْفِ مَدْ
سَاكِنٌ حَالَيْنِ وَبِالطُّوْلِ يُمَدْ

ت : پس اول مد لازم ہے کہ اگر حرف مد کے بعد ایسا حرف ساکن آئے جس کا سکون لازم ہو حالین میں اور اس مد کی قسم میں طول کیا جاتا ہے۔

ش : مدود میں سب سے پہلے مد لازم کو بیان فرماتے ہیں اور مد لازم یہ ہے کہ حرف مد کے بعد کوئی ایسا حرف ساکن آئے جس کا سکون لازم ہو دونوں حالتوں میں یعنی حالت وصل اور

حالت وقف اور وہ سکون اس حرف سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو نہ حالت وصل میں اور نہ حالت وقف میں تو ایسے موقع پر جو مد کیا جائے گا وہ طول کے ساتھ کیا جائے گا اور اس موقع پر قصر کرنا ناجائز اور غلط ہے یہ تمام قراء عشرہ کا مذہب ہے اور اگر کوئی قصر کرتا ہے تو یہ لحن ہے۔

حضرت مصنفؒ کے کلام میں غور کرنے سے اور شرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے اور مرشدۃ المشتغلین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مد میں طول واجب ہے مگر حضرت مصنفؒ نے جو اس مد کو لازم کہا ہے تو یہ سکون کے لازم ہونے کے سبب سے کہا ہے کہ اس قسم کے مد میں سکون لازم ہوتا ہے لازم کا مطلب ہے وہ شئے جو کسی ذات کا حصہ ہو اور اس سے ہرگز جدا نہ ہو اور ایسے موقع پر مد کرنا واجب ہے تاکہ دو ساکن کے درمیان فرق اور جدائی ہو سکے اور دونوں ساکن کے سکون صاف وواضح سنائی دیں اور یہ حرف ساکن چاہے حرف مد کے بعد مدغم ہو یا غیر مدغم یہاں مدغم سے مراد وہ حرف ہے کہ جس کا ادغام واجب ہے جیسے دَآبَّةٍ - اَلصَّآخَّةُ - اَلطَّآمَّةُ - اَلضَّآلِّيْنَ - اَتُحَآجُّوْنِّيْ - آلذّٰكَرَيْنِ - آللّٰهُ وغیرہ۔

اور جس کا ادغام واجب نہیں بلکہ جائز ہے پس سکون کے لازم ہونے کی قید سے نکل گیا اور یہ امام ابوعمرو بصریؒ کی قرآءت کے مطابق جیسے فِيْهِ هُدًى - نَصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا وغیرہ۔ سو ایسے کلمات میں مد بھی جائز ہے اور قصر بھی جائز ہے اور قصر کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بسبب عروض سکون کے کہ یہ سکون عارضی ہے۔

مگر وہ ساکن غیر مدغم حروف مقطعات جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں یا آلْاٰنَ (یونس) وَاللَّآئِ اور مَحْيَايْ اس قرآءت کے مطابق جس میں یاء کا سکون ہے سو ان الفاظ میں مد واجب ہے اور چونکہ لازمی سکون کا اعتبار کیا گیا ہے اس لئے اس سے الٓمّٓ اللّٰهُ نکل گیا۔

جب الٓمّٓ کی میم کو لفظ اَللّٰهُ کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے لفظ اَللّٰهُ کے ہمزہ کی حرکت میم کو دیں گے تو اس وقت مد باعتبار اصل کے جائز ہے یعنی الٓمّٓ کی میم اصل میں ساکن تھی سکون

لازم کے ساتھ اور اس موقع پر قصر بھی جائز ہے اس وجہ سے کہ لفظ میں سکون باقی نہ رہا۔

اہل اداء نے اتفاق کیا ہے مد کے اشباع (یعنی زیادہ کھینچنے پر) فواتح سور میں ایسے مواقع پر شروع سورت کا مد اور مد اصلی یہ ملا کر تین الفی ہوگا اور اختلاف کیا گیا ہے ایسے الفاظ میں یعنی ساکن غیر مدغم میں فواتح سور کے علاوہ دیگر مواقع پر۔ پس بعض حضرات نے دیگر مقام کے کلمات کے مد کو بھی فواتح سور میں شامل کیا ہے اور بعض حضرات نے ان کلمات کے مد کو اصلی مد کے علاوہ ایک الف کھینچا ہے اس قول کو امام اہوازیؒ اور امام سخاویؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ پس اس قول کی رو سے ان کلمات کا مد دو الف کے برابر ہوگا۔

اور فواتح سور میں جو حرف، حرف مد نہیں بلکہ حرف لین ہے جیسے عین جو سورۃ مریم اور سورۃ الشوری کے شروع میں آ رہا ہے پس اس حرف عین کی یاء میں جو حرف لین ہے اس میں دو وجوہ درست ہیں۔

(۱) مد (۲) قصر

(۱) مد حرف ممدود کے قرب کے سبب ہے اور یہاں مد کرنے کا جو سبب ہے وہ دو ساکنوں کے مابین فرق کرنا ہے اور اس امر میں شریک ہونے کے سبب وہ بات یہاں بھی موجود ہے۔

(۲) قصر حروف مد کے درجہ کی زیادتی کے سبب سے حرف لین کے درجہ کے اوپر ہے کہ حرف مد کے ماقبل حرکت اس کے موافق ہے جبکہ حرف لین میں ایسا نہیں ہے اور کبھی دونوں وجوہ میں طول بھی بیان کیا جاتا ہے قصر بیان نہیں کیا جاتا۔

طول کا مطلب مد کا اشباع ہے۔ توسط یعنی حرف لین میں دو وجوہ ہیں طول اور توسط جبکہ قصر نہیں ہے۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ عین میں دو وجوہ ہیں اور طول افضل ہے پھر بعض حضرات نے فرمایا کہ امام شاطبیؒ نے طول کہہ کر مد کا ارادہ کیا ہے بمقابلہ قصر کے یعنی لفظ عین کا مد قصر سے زیادہ ہو یعنی خواہ مد ہو خواہ توسط اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام شاطبیؒ نے ارادہ فرمایا ہے طول سے

اشباع مد کا بمقابلہ توسط کے یعنی مد لفظ عین کا توسط کی مقدار مراد ہے کہ دو الف ہے زیادہ نہ ہو اور یہ جو سب بحث مذکور ہوئی اس کو المقدمۃ الجزریہ کے اکثر شارحین نے اپنے کلام میں بہت واضح بیان کیا ہے۔

اس موقع پر جو بیان ہوا ہے یہ اس مد کا بیان ہے جس میں سبب مد سکون ہوتا ہے اور جسے حضرت مصنفؒ نے مد واجب کی دونوں اقسام میں سے پہلی قسم قرار دیا ہے اب اگلے شعر میں حضرت مصنفؒ مد واجب کا بیان فرماتے ہیں کہ جس میں سبب مد ہمزہ ہوتا ہے۔

(۷۱) وَوَاجِبٌ اِنْ جَآءَ قَبْلَ هَمْزَةٖ
مُتَّصِلًا اِنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٖ

ت : اور (دوسری قسم) مد واجب ہے اگر آئے حرف مد ہمزہ سے قبل اس حال میں کہ متصل ہو یعنی وہ دونوں حرف مد اور ہمزہ جمع ہوں۔

ت : مد کی دوسری قسم مد واجب ہے اور یہ اس طرح ہے کہ حرف مد کے بعد ہمزہ آئے اس حالت میں کہ حرف مد اور ہمزہ دونوں متصل اور پاس پاس ہوں تو یہ مد واجب اس موقع پر کیا جاتا ہے اس کو مد متصل بھی کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمزہ حرف مد سے متصل آتا ہے جیسے اُولٰٓئِکَ- مِنَ السَّمَآءِ- شَآءَ- جَآءَ- بِالسُّوْٓءِ- جِیْٓءَ- سِیْٓءَ- سَیِّئٰتَ پس تمام قراء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس موقع میں مد فرعی کیا جائے گا مد طبیعی کافی نہ ہوگا یعنی مد طبیعی جس کی مقدار ایک الف ہے وہ اس موقع پر کافی نہ ہوگا بلکہ یہاں مد فرعی کا سبب چونکہ موجود ہے اس لئے مد فرعی ہوگا۔

جیسا کہ ہم پیچھے بھی بیان کر آئے ہیں کہ مد طبیعی اس مد کو کہتے ہیں کہ جو کہ اصل ہے اور یہ کسی سبب کے اوپر موقوف نہیں اور اس کی مقدار ایک الف کے برابر ہے۔ پھر اس کی ایک شاخ یعنی فرع نکلی کہ حرف مد کے بعد جب سکون آئے یا ہمزہ آئے تو مد کیا جائے اس مد فرعی کو مد اصلی (طبیعی) سے زیادہ کھینچا جاتا ہے جیسا کہ معلوم ہوگا۔ غرض اس قسم کے مد میں سارے قراء کا اتفاق

ہے کہ ایسے موقع پر مد ہوگا۔

مد واجب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف مد ضعیف اور خفی ہے اور ہمزہ حرف قوی ہے اور ادائیگی میں دشوار اور سخت ہے لہٰذا حرف ضعیف (حرف مد) کو مد کے ساتھ قوت دی گئی تا کہ حرف ضعیف ادا میں حذف نہ ہو جائے۔ خاص طور پر حدر کے طریقہ تلاوت میں پس یہ مد کرنا اس لئے ہے تا کہ حرف ضعیف کو قوت حاصل ہو حرف قوی ہمزہ کے قرب میں آنے کی وجہ سے۔

بعض قراء نے یہ فرمایا ہے کہ دراصل مد فرعی ایک ایسا مد ہے جس میں اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ ہمزہ واضح اور جدا پڑھا جائے اور اس کی ادا متاثر نہ ہو اس واسطے ہمزہ کو جدا اور واضح پڑھنے کے لئے ضروری ہوا کہ حرف مد میں مد کیا جائے تا کہ ہمزہ واضح اور جدا ادا ہو بصورت دیگر ہمزہ حذف ہو جائے گا یا ناقص ادا ہوگا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ قراء نے مد فرعی کی مقدار میں اختلاف کیا ہے اور مشہور یہ ہے کہ مد فرعی کے چار مراتب ہیں۔

(۱) پہلا مرتبہ ڈیڑھ الف ہے اور یہ امام ابن کثیر مکیؒ۔ امام ابوعمرو بصریؒ اور قالونؒ راوی امام نافعؒ کے لئے ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ دو الف ہے اور یہ امام ابن عامر شامیؒ اور امام کسائیؒ کے لئے ہے۔

(۳) تیسرا مرتبہ اڑھائی الف ہے اور یہ امام عاصمؒ کا مذہب ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ تین الف ہے اور یہ امام حمزہؒ اور ورشؒ راوی امام نافعؒ کے لئے ہے۔

موخر الذکر دو مقدار مد چاروں مراتب میں سے بہت زیادہ دراز مرتبے ہیں اور بعض قراء حضرات نے فرمایا ہے کہ چاروں مراتب میں پہلا مرتبہ ایک الف کے برابر ہے دوسرا مرتبہ ڈیڑھ الف کے برابر ہے تیسرا مرتبہ پونے دو الف کے برابر اور چوتھا مرتبہ دو الف کے برابر ہے۔

ارجوزہ (یعنی المقدمۃ الجزریہ) کی بعض شروح میں اور تجوید کے بعض رسالوں میں یہ ہے کہ امام عاصمؒ کی قرآءت میں مد کی مقدار چار الف کے برابر ہے ان تمام اقوال کے متعلق قراء حضرات

نے یہ فرمایا کہ یہ دراصل سب اندازے کی بات ہے اس لئے کہ تلاوت کرنے والے کا اندازہ اور قیاس اس پر کفایت کرتا ہے کہ یہ مدا سقدر الف کے برابر ہے کوئی حتمی بات نہیں یعنی مد کی مقدار مذکور کے واسطے کوئی حد مقرر اور واجب نہیں ہے کہ اس حد سے کم وبیش کرنا درست نہیں اور یہ سب مقدار ضبط کرنا دشوار ہے۔

مگر معتبر قراء کے مطابق اور دن رات کی مشق سے نیز اپنے مشائخ اساتذہ کرام سے سننے میں یہی آیا ہے کہ الف کی مقدار ایک انگلی ہے اور دو الف کی مقدار دو انگلی ہے وعلی ہذا القیاس یعنی اس طرح سے کہ ہر ایک الف کی مقدار کے لئے ایک انگلی ہے اور اسی رسالہ میں مذکور ہے کہ ہر الف کے واسطے ایک انگلی سے شمار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ انگلی کو درمیانی کیفیت سے (یعنی نہ بہت تیزی سے اور نہ بہت آہستہ) بند کرے پس جب ایک بار انگلی بند کی تو ایک الف کی مقدار ہوئی اور جب دوسری انگلی کو بند کیا تو دو الف کی مقدار ہوئی وعلی ہذا القیاس۔ انتہی۔

مد کی تیسری قسم مد جائز ہے اور یہ دو صورتوں میں ہوتا ہے جس کا بیان حضرت مصنفؒ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

(۴۷) وَجَائِزٌ اِذَا اَتٰی مُنْفَصِلَا
اَوْ عَرَضَ السُّکُوْنُ وَقْفًا مُّسْجَلَا

ت : اور جائز یہ ہے کہ ہمزہ حرف مد سے جدا ہو یا جب حرف مد کے مابعد کو حالت وقف میں سکون لاحق ہو جائے۔

ش : تیسری قسم مد جائز ہے اس میں مد اور قصر دونوں درست ہیں مد جائز دو حالتوں میں ہوتا ہے پہلی حالت کو حضرت مصنفؒ نے پہلے مصرعہ میں بیان فرمایا ہے کہ مد جائز اس وقت ہوتا ہے جب حرف مد ایک کلمہ میں اور ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو یعنی حرف مد سے جدا ہو یعنی کلمہ کا آخری حرف، حرف مد ہو اور دوسرے کلمہ کا پہلا حرف ہمزہ ہو جیسے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ – مَآ اُنْزِلَ – مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ – وَاَمْرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ – فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ پس اگر ایسے موقع کا مد تلاوت میں

آئے تو چاروں مراتب جو اوپر مد متصل میں مذکور ہیں ان ہی میں سے اس مد کو بھی سمجھا جائے یعنی اس مد کو بھی متصل کے برابر کھینچا جائے گا۔

اور جس نے اس مد منفصل میں قصر کیا سو وہ اس مد میں مد اصلی کی مقدار سے باہر نہیں ہو سکتا کیونکہ مد کی مقدار کو مد اصلی سے کم کرنا ایسی غلطی ہے کہ گویا قرآن میں سے ایک حرف کو حذف کرنا یعنی مد اصلی بھی ایک حرف ہے جب وہ حذف ہوا تو قرآن مجید کی تلاوت میں ایک حرف کم ہوا اور یہ لحن جلی ہوا۔

مد منفصل جیسا کہ مثالوں سے بھی ظاہر ہوا صرف وصل میں ہوتا ہے یعنی وہ کلمہ جس میں حرف مد ہے اور وہ کلمہ جس میں ہمزہ ہے ملا کر پڑھیں جائیں گے تو مد ہوگا جیسے قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا وغیرہ پس اگر حرف مد پر وقف کیا گیا تو چونکہ حرف مد کے بعد ہمزہ نہیں آئے گا تو اس صورت میں مد منفصل کا قاعدہ موجود نہ رہا اور ہمزہ کا اثر چونکہ باطل ہوگا اور باقی نہ رہا اس وجہ سے قصر جائز ہوا اور دونوں کلمات کا وصل کیا جائے تو مد کیا جائے گا اس واسطے مد جائز ہوا اسی لئے اسے مد جائز کہتے ہیں اور مد منفصل بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ دو کلموں میں وصلاً پڑھنے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔[۲ے]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآءت کیسی ہوتی تھی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مد کے مقام پر اپنی آواز کو دراز فرماتے تھے۔

پس یہ حدیث عام ہے اور مد کی تمام اقسام پر دال ہے اور حجت ہے۔

وقف جائز کی دوسری حالت کا بیان حضرت مصنفؒ نے دوسرے مصرعہ میں فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ حالت وقف میں حرف مد کے بعد سکون عارض ہو جائے پس یا تو صرف سکون ہو یا اشمام

۲ے یاد رہے کہ بطریق شاطبیؒ مد منفصل میں صرف توسط جبکہ بطریق جزریؒ قصر و توسط ہے۔ اس میں لوگ عموماً بڑی خرابی کرتے ہیں کہ مد منفصل کی مقادیر میں دونوں طرق خلط کر دیتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔

ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ - مُفْلِحُوْنَ - اُولُوا الْاَلْبَابِ وغیرہ

مگر وقف بالروم وصل میں داخل ہے اور ایسے موقع پر سکون عارضی کو سکون لازمی پر قیاس کریں گے پس مد کیا جائے گا اور قصر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سکون عارض ہوا ہے اصل میں سکون نہ تھا اور باوجودیکہ وقف میں دو ساکنین کا اجتماع درست ہے اور اس واسطے مد ہوتا ہے تاکہ دونوں ساکن میں فرق کیا جا سکے مگر اس کے ساتھ نیت اور ارادہ حرکت کا باقی ہے پس قیاس کی رو سے ایسا کلمہ مد سے خالی ہوتا ہے جو حرف مد اور سکون کے مابین فرق کرنے والا ہو۔ اسی لئے بعض قراء حضرات نے ایسی صورت میں قصر کو اختیار فرمایا ہے اور بعض قراء حضرات نے اس مقام پر قصر کو ضعیف سمجھا ہے اور بعض نے مد کو ضعیف سمجھا پس اس مقام میں مد اور قصر کے ماسواء توسط کو اختیار کیا گیا ہے۔

پس مد لازم میں طول واجب ہے اور کسی قاری کے نزدیک اس میں قصر نہیں اور اگر قصر کرے تو یہ غلطی ہے اور مد عارض میں تین الفی طول اور دو الفی توسط اور ایک الف قصر تینوں جائز ہیں اور اس جواز سے مد عارضی اور مد لازم کے درجہ میں لمبائی اور زیادتی کا فرق بھی ظاہر ہوا ہے۔

فائدہ: جب ہمزہ کے بعد حرف مد آئے جیسے اٰمَنَ - اٰلِھَۃٌ - اَلْاِیْمَانِ تو اس صورت میں تمام قراء کے نزدیک مد نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہاں سبب مد نہیں پایا جا رہا ہے مگر ورش ؒ راوی امام نافعؒ سے اس صورت میں بھی مد کا دراز کرنا وارد ہے اور یہ اس وجہ پر ہے کہ جب حرف مد کے بعد ہمزہ آئے تو مد ہوتا ہے ایسے ہی اس کے برعکس ہونے پر بھی مد کیا جائے اور یہ مذہب مغربی علماء نے حضرت ورشؒ سے نقل کیا ہے مگر علماء بغداد نے اس مذہب کا انکار فرمایا ہے:

اس صورت میں ورش کے نزدیک توسط ہے اس کی دلیل ورشؒ کے نزدیک وہی سابقہ مضمون ہے جو مذکور ہوا ہے۔ حرف مد اور سکون کے مابین مد فرق کرنے والا ہوتا ہے پس توسط کہ وہ بھی مد ہے حرف مد اور سکون کے درمیان فرق کرنے والا ہوا یا اس صورت میں قصر ہے جیسا کہ ایک جماعت نے اس قول کو بھی ورشؒ سے نقل کیا ہے اور ورشؒ کے مذہب کے موافق اس قاعدہ کے لحاظ

سے کئی صورتیں بنتی ہیں جیسے اِسْرَآئِیْلُ کہ اس صورت میں اس کلمہ میں دو مد جمع ہیں ایک اِسْرَآ میں ایک ئِیْلُ اور اگر اِسْرَآئِیْلُ سے قبل بَنِیْ ہو تو تین مد جمع ہوں گے۔ [۳]

اور جس میں حرف ساکن صحیح کے بعد ہمزہ آیا ہے جیسے قُرْآنٌ۔ ظَمْاٰنٌ۔ مَسْئُوْلًا وغیرہ کے مگر جب حرف متحرک صحیح کے بعد ہمزہ آئے جیسے سَـاٰوِیْ کے یا حرف ساکن غیر صحیح کے بعد جیسے اَلْـمَـوْءُوْدَةُ کے تو اس صورت میں مد کیا جائے اور اس کی تفصیل فن کی کتب میں مذکور ہے۔ (شرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) حرف صحیح اس حرف کو کہتے ہیں جو ہمزہ اور حرف علت کے علاوہ ہو۔

بَابُ مَعْرِفَةِ الْوَقْفِ وَالْاِبْتِدَآءِ

وقف وابتداء کی پہچان کا بیان

وقف وابتداء تجوید کے متعلقات و متممات سے ہیں یعنی ان دونوں کا تجوید سے گہرا تعلق ہے اور علم تجوید میں ہی داخل ہیں دراصل ان کی بدولت علم تجوید کامل ہوتا ہے اور ان دونوں کے بغیر علم تجوید مکمل نہیں ہوتا۔ علامہ دانیؒ نے فرمایا ہے کہ قاری کو علم تجوید پر عبور حاصل نہیں ہوتا ہے جب تک وہ وقوف کی پہچان حاصل نہ کر لے۔

کہ کہاں کلام کو جدا کرنا ہے کہ وہاں وقف کرنا بہتر ہے اور کہاں کلام کو جدا نہیں کرنا ہے کہ

---

[۳] یہاں حضرت شارحؒ ورش کے لیے مد بدل کا قاعدہ بیان فرما رہے ہیں اور اس کے بعد اس قاعدے سے جو مستثنیات ہیں وہ بھی بیان فرما رہے ہیں۔ انہی مستثنیات میں سے ایک کلمہ اِسْـرَآئِـیْلُ بھی ہے جیسا کہ حضرت شارحؒ نے فرمایا اِسْـرَآ کے الف میں مد واجب ہے جبکہ ئِـیْلُ میں مد بدل ہونا چاہیے لیکن اس میں ورشؒ نے قصر کو ہی اختیار فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اِسْرَآئِیْلُ اکثر مواقع پر بَنِیْ کے ہمراہ ہی آیا ہے۔ تو مسلسل تین مد جمع ہو جاتے ہیں حاصل یہ کہ کلمہ کثرت ورود، طوالت کلمہ اور ورشؒ کے مقدار مد بقدر پانچ الف ہونے کی وجہ سے تخفیفاً اس کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت شارح اِسْـرَآئِـیْلُ کی یاء کے علاوہ دیگر کلمات جو کہ ورشؒ کے مد بدل کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں وہ بھی بیان فرما رہے ہیں۔

وہاں وقف سے پرہیز کرنا ہے۔اس لئے کہ ایسے موقع پر وقف کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے۔

لغت میں وقف کے معنی ہیں منع کرنا اور باز رہنا اور مجودین کی اصطلاح میں قطع کرنا اور کسی لفظ پر آواز کو اتنی دیر تک موقوف کرنا کہ وہاں سانس لے سکے اور تازہ دم ہو سکے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وقف کا مطلب ہے قطع کرنا اور لفظ کو اس کے بعد والے لفظ سے جدا کرنا اور یہ اس وقت ہے کہ جب یہ لفظ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ متصل نہ ہو۔

وقف کی تین اقسام ہیں تام۔ کافی اور حسن جیسا کہ حضرت مصنفؒ اپنے اشعار میں ان کو بیان فرماتے ہیں:[۴۷]

(۷۳) وَبَعْدَ تَجْوِيْدِكَ لِلْحُرُوْفِ
لَا بُدَّ مِنْ مَّعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ

(۷۴) وَالِابْتِدَآءِ وَهْيَ تُقْسَمُ اِذَنْ
ثَلَاثَةٌ تَامٌ وَّكَافٍ وَّحَسَنْ

ت : اور حروف کی تجوید کے جاننے کے بعد تجھے وقوف کی پہچان بھی ضروری ہے۔
اور ابتداء کا (وقوف) منقسم ہیں تین اقسام پر تام اور کافی اور حسن۔

ش : اس سے پہلے حروف کی تجوید کی بحث ہوئی ہے اور اس کے معلوم ہو جانے کے بعد تجھے

[۴۷] باعتبار احوال قاری وقف کی چار اقسام ہیں
(۱) وقف اختیاری: اس وقف کو کہتے ہیں جو قصداً استراحت وغیرہ کے لیے کیا جائے۔
(۲) وقف اضطراری: اس وقف کو کہتے ہیں جو بلا قصد واقع ہو جائے۔
(۳) وقف اختباری: اس وقف کو کہتے ہیں جو کیفیت وقف وغیرہ سمجھنے سمجھانے کی غرض سے کیا جائے۔
(۴) وقف انتظاری: اس وقف کو کہتے ہیں جو قرآءت سبع کو جمع کرنے کی غرض سے ایک جگہ بار بار وقف کیا جائے۔

وقوف وابتداء (یعنی تلاوت شروع کرنے کا انداز کسی موقع پر وقف کرنے کے مابعد سے) یہ جاننا بھی ضروری ہے معلوم ہوا کہ حضرت مصنف تجوید اور اس کے احکام کی بحث کے بعد اب وقف و ابتداء کی بحث شروع کر رہے ہیں کیونکہ ان دونوں باتوں کا تجوید سے گہرا تعلق ہے اور دراصل یہ تجوید کو پورا کرتی ہیں۔

وقف اور ابتداء آپس میں ملے ہوئے ہیں جب تک اس بات کی پہچان نہ ہو کہ کس لفظ پر وقف کرنا ہے اور وقف کرنے کے بعد کس لفظ سے تلاوت کا آغاز کرنا ہے پس ان امور کے جانے بغیر اس کی قرآءت کسی طرح بھی خوبی اور خوش آوازی کے ساتھ نہ ہوگی۔

وقف کی تین اقسام ہیں

(۱) وقف تام (۲) وقف کافی (۳) وقف حسن

آگے حضرت مصنف ان تینوں اقسام کے متعلق وضاحت سے بیان فرمارہے ہیں۔

(۷۵) وَهِيَ لِمَا تَمَّ فَإِنْ لَّمْ يُوجَدِ
تَعَلُّقٌ اَوْ كَانَ مَعْنًى فَابْتَدِي

ت : اور وہ ہوتا ہے جہاں کلام پورا ہو پس اگر ایسے کلام کا کوئی تعلق مابعد سے نہ ہو نہ معنی کے لحاظ سے اور (نہ لفظاً) پس ابتدا کر۔

ش : وقف تام کہا جاتا ہے اس موقع کو جہاں کلام تمام ہو اور ایک مکمل بات کا مفہوم دے یعنی اس کلام سے مقصد بالکل واضح ہو جائے اور ایسے کلام کو ختم کرنے کے بعد خاموش ہونا صحیح ہو پس ایسے مواقع پر جو وقف ہوگا وہ وقف تام کہلائے گا نیز ایسے کلام کا اپنے بعد والے کلام سے تعلق نہ ہو نہ تو معنی کے لحاظ سے اور نہ ہی لفظاً جیسے سورۃ البقرہ کے آغاز میں ہے **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** کہ اس کا تعلق اپنے مابعد یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ الخ سے کوئی لفظی اور معنوی تعلق نہیں ہے کیونکہ مُفْلِحُوْنَ تک مومنین کی صفات تمام ہوئیں اور اس کے بعد کفار کا بیان شروع ہو گیا پس یہ

وقف تام ہے۔

اور اگر اس لفظ کا جس پر وقف کیا گیا ہے اس کا اپنے بعد والے لفظ سے معناً تعلق ہو مگر لفظاً تعلق نہ ہو تو یہ وقف کافی ہے جیسے سورۃ البقرہ کے شروع میں یَکْذِبُوْنَ آ رہا ہے کہ اس کو اپنے مابعد وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ الخ سے لفظاً تو تعلق نہیں اور یہ ظاہر ہے مگر معنی کی رو سے تعلق ہے کیونکہ یَکْذِبُوْنَ پر منافقین کا قصہ ظاہر میں تو ختم ہوا مگر دراصل اس کے مابعد وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ الخ میں دوسرا قصہ منافقین کا بیان ہو رہا ہے۔

ان دونوں وقوف میں حکم یہ ہے کہ جب وقف کرے تو مابعد سے ابتداء کرے۔ اب حضرت مصنفؒ اگلے شعر میں ان وقوف کے بالترتیب نام بیان فرماتے ہیں۔

(۷٦) فَالتَّامُ فَالْکَافِیْ وَلَفْظًا فَامْنَعَنْ
اِلَّا رُءُوْسَ الْاٰیِ جَوِّزْ فَالْحَسَنْ

ت : پس (پہلا) تام ہے اور دوسرا کافی اور لفظاً تعلق ہو اور (معناً بھی تو ایسے مقام پر وقف کرنے اور ابتداء کرنے سے) منع کر مگر رؤس آیات پر جائز سمجھ پس یہ حسن ہے۔

ش : یعنی اوپر جو اقسام بیان ہوئی ہیں ان میں پہلی قسم وقف تام ہے اور دوسری وقف کافی ہے۔

اور اگر لفظ کا اپنے مابعد سے لفظاً اور معناً دونوں لحاظ سے تعلق ہو اور معناً تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ لفظ کو اپنے مابعد سے ایسا تعلق ہو مثلاً اعراب کے رو سے یا مثلاً مابعد ماقبل کی صفت ہو یا اس پر عطف کیا گیا ہو یا اسی طرح کا کوئی اور تعلق ہو۔ ایسے ہی لفظاً بھی تعلق بنتا ہو جیسے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ میں کہ کلمہ بِاللّٰهِ کا تعلق اپنے مابعد وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ سے ہے کہ معناً اور لفظاً دونوں تعلق ہیں سو ایسے مقام پر وقف کرنا اور مابعد سے ابتداء کرنا منع ہے یعنی اگر ایسی جگہ وقف ہو جائے تو ماقبل سے اعادہ کر کے پڑھو۔

مگر آیات کے نشانات پر ہر صورت میں وقف کرنا اور اس کے مابعد سے ابتداء کرنا درست ہے چاہے وہاں لفظاً اور معناً تعلق مابعد سے بنتا ہو۔ اور یہ قسم وقف حسن ہے جیسے يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ میں کہ اَلنَّاسِ کے کلمہ کو اپنے مابعد مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ سے تعلق ہے لفظاً بھی اور معناً بھی مگر چونکہ یہاں آیت ہے اس واسطے یہاں وقف کرنا اور مابعد سے ابتداء کرنا سنت ہے اور یہ مطلقاً بلا کسی قید کے حکم ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآءت فرمایا کرتے تھے تب قطع کرتے تھے یعنی وقف کر کے جدا فرماتے تھے آیت کو آیت سے یعنی اس طرح پڑھتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پھر وقف فرماتے پھر اس کے بعد پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پھر وقف فرماتے پھر اس کے بعد پڑھتے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پھر وقف فرماتے تھے اور یہ حدیث وقف کے باب میں اصل ہے۔

اسی طرح سے سورۃ الجن کی آیات سورۃ المدثر اور والنازعات اور التکویر اور الانفطار کی آیات پر وقف کرنا ہے۔

(۷۷) وَغَيْـــرُ مَـــــاتَـــمَّ قَبِيْــحٌ وَّلَــــهٗ
يُـــوْقَفُ مُـــضْـــطَـــرًّا وَّ يُبْــدَا قَبْـلَــــهٗ

ت : اور جو کلام بغیر پورا ہوئے وقف ہو وہ قبیح ہے اور یہ وقف کیا جاتا ہے حالت اضطرار میں اور ایسے موقع پر ابتداء کرو ماقبل سے۔

ش : وہ کلام کہ جس میں مفہوم پورا نہ ہوتا ہو ایسی جگہ پر وقف کرنا وقف قبیح ہے۔ قبیح کے معنی برا۔ جیسے اَلْحَمْدُ یا مَالِكِ پر وقف کرنا مگر قاری اضطراری حالت اور بے اختیاری میں ایسے موقع پر وقف کرسکتا ہے جیسے انقطاع نفس یعنی سانس کا ختم ہو جانا یا کھانسی یا ہچکی وغیرہ کا آجانا یا بھول جانا وغیرہ مگر یہ ضروری ہے کہ اگر ضرورت اور اضطراری کیفیت میں ایسی جگہ وقف کیا ہے تو

ماقبل سے دہرا کر پڑھے اور یہ ماقبل سے دہرا کر پڑھنا نہایت ضروری ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ میں رَبِّ پر وقف کیا تو دوبارہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اعادہ کرے اور اسی طرح مَالِکِ پر وقف کیا تو پھر دہرا کر پڑھے یعنی مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور قراء حضرات جو اس کو ضروری کہتے ہیں وہ اس لحاظ سے کہتے ہیں تا کہ لوگوں کو تنبیہ ہو جائے اور وہ غلط جگہ وقف کرنے سے باز رہیں۔

اور ایسا وقف وقف قبیح ہے کہ جس میں مضاف پر بغیر مضاف الیہ کے اور موصوف پر بغیر صفت کے (جب کہ ایک ہی صفت ہو) اور فعل پر بغیر فاعل کے اور موصول پر بغیر صلہ کے اور اِنَّ اور کَانَ اور ظَنَنْتُ وغیرہ پر بغیر اس کے معمولات کے اور ذوالحال پر بغیر حال کے اور مستثنیٰ منہ پر بغیر مستثنیٰ کے اور فعل پر بغیر اس کے مصدر کے اور حرف شرط کے اور شرط پر بغیر جزا کے اور امر پر بغیر اس کے جواب کے وقف کیا جائے یہ سب اقسام وقف قبیح میں داخل ہیں۔

(۸۷) وَلَيْسَ فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ وَّقْفٍ وَّجَبْ
وَلَا حَرَامٌ غَيْرُ مَا لَهٗ سَبَبْ

ت : اور قرآن میں ایسا کوئی وقف نہیں کہ واجب قرار دیا جائے یا حرام نہیں ہے ماسواء اس کے کہ اس کی کوئی وجہ ہو۔

ش : قرآن میں کوئی وقف بھی ایسا نہیں ہے کہ اگر قاری اس وقف کو نہ کرے تو گناہ گار ہوگا یعنی واجب نہیں قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی وقف ایسا ہے کہ قاری اس پر وقف کرے تو یہ وقف حرام ہوگا۔ اس لئے کہ وقف و وصل معنی پر دلالت نہیں کرتے ہیں اور نہ ان سے معنی کی تکمیل ہوتی ہے کہ اگر وہ نہ کئے جائیں تو معنی میں فرق پڑے گا دراصل وقف اور وصل دونوں کلام عرب کے اسلوب و خواص ہیں جس سے کلام کے مکمل ہونا یا نامکمل رہنا معلوم ہوتا ہے پس از روئے شرع یہ نہ تو واجب ہیں اور نہ حرام ہیں۔

سوائے اس چیز کے کہ اس کے واسطے کوئی وجہ اور سبب ہو یعنی وقف اس وقت حرام یا قبیح ہوگا

جب قاری قصداً غلط ارادے اور کفریہ تصور سے پڑھے کوئی شخص قصداً غلط عقیدہ کفریہ سے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اور اِنّیْ کَفَرْتُ پر وقف کرے۔ لازمی امر ہے کہ ایک مسلمان ایسا کبھی نہ کرے گا اور اگر اضطراراً ایسا عمل ہو جائے گا تو فوراً ماقبل سے اعادہ کر لے گا بہتر یہی ہے کہ ایسے وقف سے پرہیز کرے اس واسطے کہ ایسے مقام پر وقف کرنے سے ایسے معنی کا وہم آتا ہے جو مومن کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

حضرات قراء نے فرمایا ہے کہ سب وقفوں میں براوقف کرنا درج ذیل مقام پر ہے۔

(۱) قولہ تعالیٰ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا پر وقف کرنا۔ اور اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ سے ابتدا کرنا۔

(۲) وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ پر وقف کرنا اور عُزَیْرُ نِ بْنُ اللّٰهِ سے ابتدا کرنا۔

(۳) وَقَالَتِ النَّصٰرٰی پر وقف کرنا اور اَلْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ سے ابتدا کرنا۔

(۴) وَمَالِیَ پر وقف کرنا اور لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ سے ابتدا کرنا۔

فائدہ: یاد رکھو کہ بعض مصاحف قرآنیہ کے حاشیہ پر وقف مُنَزَّل لکھا جاتا ہے سو اس کی لکھنے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے۔

علامہ سجاوندیؒ نے جو وقوف کے مراتب بیان فرمائے ہیں یعنی وقف لازم۔ وقف مطلق۔ وقف جائز۔ وقف مجوز اور وقف مرخص یہ تمام اقسام علامہ جزری کے بیان کردہ تین اقسام وقف (تام، کافی اور حسن) میں داخل ہیں۔ ایسے ہی یہاں وقف لازم سے وہ واجب مراد نہیں ہے جس کا ترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ قواعد تجوید میں ایسے موقع پر وقف کرنا بہتر اور انسب ہے (ہٰذا کل باب ملخص من شرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

حضرت مصنفؒ وقف کا بیان ختم فرما کر آگے مقطوع و موصول اور تاء تانیث کا بیان شروع فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل یہ سب موضوعات بھی وقف سے ہی متعلق ہیں اور بعد ازاں ہمزہ وصل کا بیان بھی اسی ضمن میں ہے کہ وقف کے بعد ہمزہ وصل سے تلاوت کیسے شروع

کی جائے گی اور اس کا مجرد نیز اشمام اور روم کا بیان فرمائیں گے جو سب وقف کی ہی اشکال ہیں۔

بَابُ مَعْرِفَةِ الْمَقْطُوْعِ وَالْمَوْصُوْلِ

مقطوع اور موصول کی پہچان کا باب

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح المقدمۃ الجزریہ میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں بعض حروف اور کلمات کی رسم خط (یعنی لکھنے کا طریقہ) عربی زبان کے قواعد کے برخلاف واقع ہوا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ خط کی دو اقسام ہیں جن میں قیاس نہیں کیا جاتا ہے:

(ا) خط عروض ۵؎ (۲) خط قرآن۔

قرآن کے رسم الخط کی اصل مصاحف عثمانیہ کی رسم ہے جو کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث کے حکم پر تحریر کئے گئے تھے اور ان کے لکھے جانے کے بعد ان مصاحف کو مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن اور بحرین بھیجا گیا اور ان کے علاوہ ایک مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے واسطے رکھ لیا جس کو مصحف امام کہتے ہیں اور کبھی اس مصحف کو صرف امام کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ یہ مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے تحریر فرمودہ نہیں ہیں جیسا کہ بعض حضرات کو اس کا وہم ہوا ہے۔

پس ان آٹھ مصاحف مذکورہ میں بعض مقام پر عرب کے رسم خط کے برخلاف رسم خط تحریر ہوا ہے اور قرآن کا یہ رسم خط حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہم اجماع سے تحریر کیا

۵؎ بسا اوقات اوزان شعری کے مطابق کلمات کو قطع کر کے لکھا جاتا ہے مثلاً یہ شعر

تَـلَـقَّ الْاُمُـوْرَ بِـصَـبْـرٍ جَـمِـيْـلٍ
وَصَـدْرٍ رَحِـيْـبٍ وَخَـلِّ الْـحَـرَجْ

عروضیین اس شعر کو اس طرح لکھیں گے:

تَـلَـقْـقَ لْ اُمُوْرَ بِـصَـبْـرِ نْ جَـمِـيْـلِـنْ
وَصَـدْرِ نْ رَحِـيْـبِـنْ وَخَـلْـلِ لْ حَـرَجْ

گیا جس کو بعد میں آنے والے حضرات تابعین رحمہم اللہ اجمعین نے برقرار رکھا۔

ہم نے اس اختلاف رسم کے متعلق اپنے اساتذہ کرام سے کافی بحث کی مگر کسی نے اس کے متعلق ایسا جواب نہ دیا کہ جو بیمار کو شفا دے یعنی شک والے کے شکوک کو بالکل دفع کر دے پھر اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص رسم خط کے مقدمہ میں آئی ہے سو یہ بات ثابت نہیں ہوئی اور ایسے ہی یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ لکھنے والوں (یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے بغیر قصد و ارادہ کے اتفاقاً یہ رسم قرآنی تحریر ہوگئی تو یہ بات بھی بعید ہے یا یہ بات کہنا کہ وہ لکھنے والے عربی رسم الخط کے قواعد سے ناواقف تھے یہ بات تو اور بھی زیادہ بعید معلوم ہوتی ہے یا یہ بات کہنا کہ وہ لوگ عربی رسم الخط کے قواعد وضوابط کا علم تو رکھتے تھے مگر اس کے باوجود قصداً اس کے برخلاف لکھا تو اس صورت میں یہ بات ضرور کہی جائے گی کہ ان کے قصداً خلاف رسم لکھنے کی وجہ بیان ہونی چاہیے۔

حضرات قراء وعلماء نے اس خلاف قیاس رسم خط کے لکھنے کے متعلق بہت سی وجوہ تحریر فرمائی ہیں کہ ایک کلمہ کو ایک جگہ ملا کر لکھا گیا ہے اور دوسری جگہ قطع کر کے لکھا گیا ہے پس بعض مشائخ کرام نے خلاف قیاس اس رسم الخط کے لکھنے کی وجوہ تحریر فرمائی ہیں ان میں سے تین وجوہ میں نے دیکھی ہیں انہیں یہاں تحریر کرتا ہوں۔

(۱) پہلی وجہ یہ کہ چونکہ قرآن کریم جو اپنے نظم میں معجز ہے یعنی جیسی درست و جامع عبارت کوئی نہیں کہہ سکتا ہے اور اس میں وہ ساری مخلوق کے کلام کے مخالف تھا اسی طرح سے قرآن کریم کا رسم الخط بھی ایسا اختیار فرمایا گیا جو ساری مخلوق کے خط کے خلاف ہوتا کہ خط قرآن بھی نظم قرآن کی مانند معجز ہو۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن عظیم سمعی ہے یعنی سن کر پڑھنے کی چیز ہے کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اس کو بغیر کسی سے پڑھے خود پڑھے (یعنی بغیر استاد کے خود ہی پڑھ لے) جیسا کہ کسی کو یہ قدرت نہیں ہے کہ اپنی عقل سے بغیر علوم شرعیہ کے اس کی تفسیر کرے ایسے ہی قرآن کو

ایسے رسم الخط میں لکھا گیا کہ کوئی شخص اس وقت تک اس کی قرآءت نہ کر سکے جب تک کسی ماہر استاذ سے اس کو نہ سیکھے اور رسم الخط قرآنی کے قواعد اہتمام کے ساتھ سیکھے کہ جیسے قرآن بغیر کسی استاذ سے پڑھنا صحیح نہیں اگر چہ درست ہی پڑھا ہو۔ اس لئے کہ جیسے حدیث صحیح میں آیا ہے **مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاۤئِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْاَ خْطَاَ** یعنی جو شخص قرآن میں اپنی رائے اور عقل سے بات کرے اور ٹھیک اور درست کہے اور جو حق معنی ہیں وہی کہے تو اس شخص نے خطا کی۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن کے سیکھنے سکھانے میں اجر اور ثواب بہت عظیم اور بہت زیادہ تھا اس سبب سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کریم کو ایسے خط میں تحریر فرمایا کہ جس میں بغیر سیکھے اور سکھائے پڑھنا سہل اور آسان نہ ہو اور یہ خیر خواہی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جانب سے مسلمانوں کے حق میں ہے۔

یہ تینوں آراء مشائخ یمن کی ہیں اور آراء مزکورہ میں جیسا کہ نظر بھی آتا ہے کہ اس بات کی تسلی نہیں ہوتی کہ اصل خلاف جو رسم خط میں ہے اور بعض خاص مقام میں جو خلاف قیاس رسم واقع ہوا ہے اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے۔ [۶۷]

فائدہ: یہ خاکسار کرامت علی جونپوری عرض کرتا ہے کہ مشائخ یمن کے اس کلام سے قرآن کے تمام مقامات کی خلاف قیاس رسم کے متعلق وضاحت ہوتی ہے۔

---

[۶۷] حضرت شارحؒ نے یہ تمام آراء نقل کی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اکابر علماء رسم علامہ دانی، علامہ شاطبی، علامہ سخاوی اور علامہ جزری رحمہم اللہ نے اپنی کتب میں رسم خط کے معجز ہونے کے متعلق تحریر فرمایا ہے علامہ شاطبیؒ نے اپنے معرکۃ الاراء قصیدے ''عقیلۃ اتراب القصائد فی رسم المصاحف القرآنیہ'' میں بہت واضح اور جامع انداز میں رسم خط کے متعلق تحریر فرمایا ہے اور اس کی بہت عمدہ اور خوبصورت تشریح و توضیح فرمائی ہے حضرت قبلہ والد صاحب شیخ المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی عقیلہ کی شرح ''ایضاح المقاصد'' میں اہل علم اس سے استفادہ فرمائیں۔ انشاء اللہ ان کو اس شرح میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا شافی جواب ملے گا۔

قرآن کریم میں خلاف قیاس رسم کے مقامات بہت ہیں جیسے الف کی زیادتی جیسے لَاَ اَذْبَحَنَّهٗ۔ حذف واؤ جیسے لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اور بعض اسماء میں حذف الف جیسے اِسْمٰعِيْلَ اور بعض کلمات کو بشکل واؤ تحریر کرنا جیسے اَلصَّلٰوةُ۔ اَلزَّكٰوةُ۔ مِشْكٰوةٌ وغیرہ اور تفصیل رسم کی کتابوں میں موجود ہے اس رسم خط میں جو علم تجوید سے تعلق رکھتا ہے اس میں ہی مقطوع اور موصول کلمات ہیں کہ بعض کلمات کو کسی جگہ پر مقطوع لکھا گیا ہے جیسے اِنَّ مَا کہ مَا نافیہ ہے جس کے ملا کے لکھنے کا دستور ہے اور بعض مواقع پر متصل یعنی ملا کر لکھا گیا ہے یعنی اِنَّمَا اگر چہ اس مقام پر ما موصولہ ہے اور اس کو جدا لکھنا چاہیے۔

پس ضروری ہے کہ قاری مقطوع وموصول کے ان مقامات سے واقف ہوتا کہ اگر سانس ٹوٹنے کی وجہ سے یا کسی اور حالت مجبوری کی بناء پر وقف اضطراری کرے یا امتحان کے واسطے وقف کرے یعنی وقف اختیاری کرے تو مقطوع وموصول مواقع کا سننے والے کو علم ہو جائے کہ یہ مواقع مصاحف میں مقطوع لکھا ہے اسی واسطے قاری مقطوع کلمات کو جب آہستہ آواز میں پڑھے کہ جب سبق دینا یا سنانا نہ ہو رہا ہو تب ان کلمات کو اپنے دل میں پڑھے پس مقطوع کلمات میں وقف کرنے کے بعد اول سے ابتدا کرے جیسے کلام غیر تام میں وقف اضطراری کی صورت میں ہوتا ہے جبکہ موصول کلمات میں وقف نہیں ہوگا۔ عرب کے قراء حضرات کی قرآءت میں ہم نے ایسے ہی دیکھا ہے۔

ایسے ہی خلاف قیاس رسم کے ضمن میں جو علم تجوید سے متعلق ہیں تاء تانیث کا بیان بھی ہے کہ بعض مقامات پر بصورت ھاء (یعنی گول تاء) کی شکل پر لکھی گئی ہے جیسا کہ یہی اصل ہے اور بعض مقامات پر تاء فوقانیہ کی صورت پر لکھی گئی ہیں پس جس مقام پر بصورت تاء لکھی گئی ہیں اس مقام میں تاء کے ساتھ ہی وقف کرتے ہیں چاہے وقف اضطراری ہو یا وقف اختیاری اور اس میں جو اختلاف ہے وہ باب ھاء التانیث میں بیان ہوگا اب یہاں حضرت مصنفؒ مقطوع وموصول کا بیان شروع کرتے ہیں۔

(۷۹) وَاعْرِفْ لِمَقْطُوْعٍ وَّمَوْصُوْلٍ وَّتَا
فِیْ مُصْحَفِ الْاِمَامِ فِیْمَا قَدْ اَتٰی

ت : اور پہچان مقطوع اور موصول اور تاء تانیث کو مصاحف امام (یعنی عثمانیہ) کی رسم میں آیا ہے۔

ش : یعنی وقوف کی معرفت کے لئے تم مقطوع اور موصول اور تاء تانیث کو مصاحف امام میں سے جس کو مصاحف عثمانیہ کہا جاتا ہے جان لو کہ ان مصاحف میں یہ کس طرح تحریر کئے گئے ہیں تا کہ اضطراری حالت میں اور سانس ختم ہونے کی صورت میں تم مقطوع کلمات میں اس کے قطع کردہ لفظ پر وقف کر سکو اور موصول کلمات میں اس کے تمام ہونے والے مقام پر وقف کر سکو اور اسی طرح ضروری ہے کہ تاء تانیث کو بھی پہچانو تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس کو وقف میں کس جگہ تاء پڑھنا ہے اور کس جگہ ھاء پڑھنا ہے۔ اب حضرت مصنفؒ مقطوع کلمات کو بیان فرماتے ہیں اور ان کے علاوہ جو مقامات ہوں گے وہ کلمات موصول ہوں گے۔

(۸۰) فَاقْطَعْ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ اَنْ لَّا
مَعْ مَلْجَاً وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا

ت : قطع کر دس کلمات میں اَنْ کو لَا سے ان میں کا پہلا مَلْجَاَ کے اور دوسرا لَآ اِلٰهَ اِلَّا کے ہمراہ ہے۔

ش : قطع کر و یعنی الگ الگ لکھو دس مقامات پر کلمہ اَنْ مفتوحہ مخففہ کو لَا نافیہ سے یعنی جس لَا کے معنی ''نہیں'' کے ہیں اس لَا سے اسے جدا کر کے لکھ۔ ان دس میں کا پہلا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ ہے جو سورۃ التوبہ میں ہے اور دوسرا سورۃ ہود میں اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ہے۔

(۸۱) وَتَعْبُدُوْا یٰسِیْنَ ثَانِیْ هُوْدَ لَا
یُشْرِكْنَ تُشْرِكْ یَدْخُلَنْ تَعْلُوْا عَلٰی

ت : اور (تیسرا) اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا یٰسین اور (چوتھا) اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا ہود کا دوسرا اور (پانچواں) اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ اور (چھٹا) اَنْ لَّا تُشْرِكْ اور (ساتواں) اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا اور (آٹھواں) اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلٰی ہیں۔

ش : تیسرا اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ (یٰسین) چوتھا سورہ ہود میں دوسرا حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ہے جبکہ سورہ ہود کا پہلا موقع موصول ہے۔ پانچواں اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا (الممتحنہ) چھٹا اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا (الحج) ساتواں اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنًا (ن) آٹھواں اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰهِ (الدخان)

(۸۲) اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا لَا اَقُوْلَ اِنْ مَّا
بِالرَّعْدِ وَالْمَفْتُوْحَ صِلْ وَ عَنْ مَّا

(۸۳) نُهُوْا اقْطَعُوْا مِنْ مَّا بِرُوْمٍ وَّالنِّسَا
خُلْفُ الْمُنَافِقِیْنَ اَمْ مَّنْ اَسَّسَا

ت : اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا اور اَنْ لَّا اَقُوْلَ کے ہمراہ۔ اِنْ مَّا کا قطع ہے الرعد میں اور ہمزہ مفتوحہ والا موصول ہے اور عَنْ مَّا نُهُوْا کو قطع کرو اور مِنْ مَّا کو جو روم اور النساء میں ہے قطع کرو منافقین والے میں خُلف ہے۔ قطع کرو اَمْ مَّنْ اَسَّسَ کو۔

ش : نواں موقع اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (الاعراف) اور دسواں اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (الاعراف) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح

المقدمۃ الجزریہ میں فرماتے ہیں کہ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ (الانبیاء) میں قطع و وصل میں اختلاف کیا ہے اکثر قراء حضرات قطع کی طرف گئے ہیں۔ان مذکور گیارہ مقامات کے علاوہ باقی تمام قرآن میں اَلَّا بالاتفاق موصول ہے۔

اِنْ مکسورہ مخففہ جو شرط ہے مَا موکدہ کے ساتھ پس اس کے قطع کے اوپر اتفاق ہے ایک مقام پر یعنی وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ (الرعد) میں اور اس کے ماسوا سب جگہ موصول ہے جیسے وَاِمَّا تَخَافَنَّ۔ وَاِمَّا تَذْهَبَنَّ۔ فَاِمَّا تَرَيِنَّ وغیرہ۔

اَمَّا مفتوحہ کا وصل کر جہاں کہیں بھی آئے۔یہ اصل میں اَمْ ہے جو کہ لفظ مَا کے ساتھ متصل ہوا ہے اور یہ لفظ اَنْ مفتوحہ کا وصل نہیں ہے جیسا کہ وہم ہوا ہے المقدمۃ الجزریہ کے بعض شارحین کو شعر کی ظاہری عبارت کے سیاق کی طرف نظر کرنے کی وجہ اور یہ خطا ہے جیسا کہ یہ بات ظاہر بھی ہوئی ہے ان مثالوں کے دیکھنے سے جن کو حضرات قراء کرام نے ذکر فرمایا ہے جیسے اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ (الانعام) اور اَمَّاذَا كُنْتُمْ (النحل) میں ہے۔

اور لفظ عَنْ کو مَا سے قطع کر و ایک مقام پر یعنی عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ (الاعراف) میں اور اس کے سوا باقی تمام جگہ پر موصول ہے جیسے عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ وَعَمَّا جَآءَكَ وغیرہ۔

اور قطع کر و لفظ مِنْ کو مَا سے جو دو جگہ آیا ہے یعنی مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ (الروم) اور فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمْ میں اور سورۃ المنافقون کے مِنْ مَا کے وصل اور قطع میں اختلاف ہے یعنی وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ کہ بعض مصاحف میں مقطوع لکھا ہے اور بعض میں موصول ہے ان کے علاوہ باقی تمام جگہ یہ موصول ہے۔

اَمْ مَّنْ کے قطع پر چار مقام پر اتفاق ہوا ہے۔پہلا اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ (التوبہ) ہے۔

(۸۴) فُصِّلَتِ النِّسَا وَ ذِبْحٍ حَيْثُ مَا
وَاَنْ لَّمِ الْمَفْتُوحَ كَسْرًا اِنَّ مَا

(۸۵) الْاَنْعَامَ وَالْمَفْتُوحَ يَدْعُونَ مَعَا
وَخُلْفُ الْاَنْفَالِ وَنَحْلٍ وَّقَعَا

ت : فُصِّلَتْ النساء اور ذبح میں (قطع کرو) حَيْثُ مَا اور اَنْ لَّمْ مفتوحہ اور اِنْ لَّمْ مکسورہ کو۔ اِنَّ مَا کو الانعام میں قطع کرو اور اَنَّ مَا مفتوحہ کو يَدْعُونَ کے ہمراہ دونوں جگہ اور خُلْف واقع ہوا ہے الانفال اور نحل میں۔

ش : دوسرا اَمْ مَّنْ يَّاْتِیْٓ اٰمِنًا (فصلت) تیسرا اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا (النساء) چوتھا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا (الصافات) اور چونکہ سورۃ الصافات میں ذبح عظیم کا تذکرہ ہے اس واسطے حضرت مصنفؒ نے اس سورۃ کو ذبح کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔

حَيْثُ مَا قرآن مجید میں مقطوع ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح جزریہ میں فرماتے ہیں کہ حَيْثُ مَا کے قطع پر اتفاق کیا گیا ہے یعنی حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (سورۃ البقرہ دو مقام پر) علامہ دانیؒ نے اس بات کا واضح حکم فرمایا اور علامہ جزریؒ نے علامہ شاطبیؒ کی متابعت کر کے مطلقاً بغیر قید کے قطع کا فرمایا۔

اَنْ مفتوحہ مخففہ لَمْ سے جہاں کہیں بھی آئے مقطوع ہے اور یہ دو مقام پر آیا ہے اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ (الانعام) اور اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ (البلد)

اِنَّ مَا مکسورہ جو کہ سورۃ الانعام میں ہے اس میں قراء کا اتفاق ہے کہ اِنَّ مشددہ مکسورہ مَا موصولہ سے قطع کر کے لکھا گیا ہے یعنی اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ اور اس کے ماسوا سب جگہ موصول ہے چاہے مَا موصولہ ہو یا کافہ۔

اَنَّ مَا مفتوح دو مقام پر مقطوع ہے کہ ایک ہی کلمہ یَدْعُوْنَ کے ہمراہ آیا ہے یعنی وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَ الْبَاطِلُ (الحج) اور وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ (لقمان) میں۔

اَنَّ مَا مفتوحہ کے مقطوع اور موصول ہونے میں دو جگہ اختلاف کیا گیا ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (الانفال) میں اور اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (النحل) میں اور ان چار سورتوں کے علاوہ باقی تمام جگہ بالاتفاق یہ کلمہ موصول ہے۔ ۷۷

(۸۶) وَکُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ وَاخْتُلِفْ
رُدُّوْ کَذَا قُلْ بِئْسَ مَا وَالْوَصْلَ صِفْ

(۸۷) خَلَفْتُمُوْنِیْ وَاشْتَرَوْا فِیْ مَا اقْطَعَا
اُوْحِیْ اَفَضْتُمْ اشْتَھَتْ یَبْلُوْا مَعَا

(۸۸) ثَانِیْ فَعَلْنَ وَقَعَتْ رُوْمٍ کِلَا
تَنْزِیْلِ شُعَرَا وَ غَیْرَ ھَا صِلَا

ت : اور کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ مقطوع ہے اور کُلَّ مَا رُدُّوْا میں ایسے ہی قُلْ بِئْسَ مَا میں اختلاف ہے اور وصل بیان کر۔

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا میں اور قطع ہے فِیْ کا مَا سے

۷۷ علامہ جزریؒ نے شعر میں الانفال اور النحل کے مواقع والے کلمات میں خلف کا ذکر تو فرمایا ہے مگر مفتوحہ اور مکسورہ ہونے کا ذکر نہیں فرمایا ہے ضروری تھا کہ حضرت شارحؒ اس کی وضاحت فرماتے مگر انہوں نے بھی اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔ لہٰذا یہ وضاحت کر دوں کہ الانفال والا موقع وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مفتوحہ ہے اور النحل والا موقع اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ مکسورہ ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اُوْحِیَ اور اَفَضْتُمْ اور اِشْتَهَتْ اور يَبْلُوَا کے دومواقع پر۔

اوردوسرا فَعَلْنَ اورواقعہ والا اورروم میں اورتنزیل میں شعراء میں اوران کے ماسوا موصول لکھ۔

ش : كُلِّ کالفظ مَا سے مقطوع ہے ایک مقام پر وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم) اور كُلَّ مَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ (النساء) میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ تین مقام میں مزید اختلاف ہے۔ (۱) كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ (الاعراف) (۲) كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا (المومنون) (۳) كُلَّمَآ اُلْقِيَ فَوْجٌ (الملک) میں اوران تین آخری مواقع میں وصل کو ترجیح ہے اوران مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ كُلَّمَا ہر جگہ موصول ہے انتہی۔

حضرت مصنفؒ نے ترجیح کو اختیار فرماتے ہوئے اسی لئے صرف ایک مقام یعنی سورۃ ابراہیم میں قطع ذکر فرمایا اور باقی ایک مقام پر اختلاف کا ذکر فرمایا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ بقایا تمام مواقع پر یہ کلمات موصول لکھے گئے ہیں۔

بِئْسَ مَا کے لفظ یعنی قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ (البقرہ) میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے جبکہ بِئْسَ کا مَا سے وصل بیان کیا گیا ہے بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ (الاعراف) اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ (البقرہ) میں۔

فِيْ کو مَا موصولہ سے قطع کرو گیارہ مقامات پر جو یہ ہیں۔

(۱) فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ (الانعام) (۲) فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ (النور) (۳) فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ (الانبیاء) (۴-۵) وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (المائدہ الانعام) يَبْلُوْ مَعًا کا لفظ حضرت مصنفؒ نے انہیں دو مقامات کے متعلق فرمایا ہے۔

قولہ ثَانِیْ فَعَلْنَ یعنی دوسرا فَعَلْنَ مقطوع ہے۔ پہلا موقع موصول ہے فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ) اور دوسرا موقع یہ ہے (٦) فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ (البقرہ) یہ مقطوع ہے (٧) وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الواقعہ) قولہ وَقَعَتْ سے سورۃ الواقعہ کی جانب اشارہ ہے۔ (٨) فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ (الروم) (٩) اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَاهُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (التنزیل) سورۃ التنزیل سے سورۃ الزمر مراد ہے (١٠) وَاَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (الزمر) قولہ كِلَا تَنْزِیْلِ سے انہی دو مقامات کی جانب اشارہ ہے۔ (١١) اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ (الشعراء) اور ان گیارہ مواقع کے علاوہ سب جگہ فِیْمَا موصول ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح جزری میں فرماتے ہیں کہ فِیْ مَا کا آخری موقع جو سورۃ الشعراء میں ذکر کیا گیا اس میں اختلاف ہے موصول ومقطوع ہونے کا اور ان گیارہ کے علاوہ تمام مواقع موصول ہیں چاہے وہ خبر ہو یا استفہام اس کا الف محذوف ہو جیسے فِیْمَ كُنْتُمْ۔ فِیْمَ اَنْتَ وغیرہ کی مانند یا اس کا الف مرسوم ہو جیسے فِیْمَا فَعَلْنَ وغیرہ۔

علامہ جزریؒ نے اپنے قصیدہ میں گیارہ مقامات پر فِیْ کا مَا سے قطع ذکر کیا ہے اور علامہ موصوفؒ کے کلام سے سورۃ الشعراء کے قطع میں اختلاف کوئی نہیں نکلتا ہے کیونکہ شعری تنگی کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو۔ کا اور علامہ نے جن مواقع پر قطع کا حکم بیان فرمایا اس میں اس گیارہویں موقع کا خُلف بیان نہ فرما سکے اس سے معلوم ہوا کہ علامہ جزریؒ کے کلام میں یہاں سہو ہے کہ اختلافی موقع کو بھی بالاتفاق قطع والے کلمات میں ذکر فرما دیا اور صاحب حواشی ازہریہ نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ دس مواقع کے قطع میں دراصل اختلاف ہے اور ایک موقع جو سورۃ الشعراء والا ہے وہ بالاتفاق مقطوع ہے اس کے بعد صاحب حواشی ازہریہ فرماتے ہیں کہ حضرت ناظمؒ کی عبارت

سے یہ اختلاف سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ناظمؒ نے اس اختلاف کو نہ صریحاً بیان فرمایا ہے اور نہ اشارۃً انتہیٰ ۸۷ے

(۸۹) فَـأَيْـنَـمَـا كَـالـنَّـحْـلِ صِـلْ وَمُـخْـتَـلِفْ
فِـي الشُّـعَـرَا الْأَحْـزَابِ وَالـنِّـسَـا وُصِفْ

ت : فَـأَيْـنَـمَـا کوالنحل والے کی طرح موصول لکھ اور اختلاف والا الشعراء الاحزاب اور النساء میں بیان ہوا ہے۔

ش : کلمہ فَأَيْنَمَا کو جو سورۃ البقرہ میں ہے سورۃ النحل والے أَيْنَمَا کی طرح موصول لکھو یعنی اس کے وصل پر اتفاق دو مقام پر کیا گیا ہے۔

(۱) فَـأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ) (۲) أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ (النحل)

اور أَيْنَمَا کے وصل میں تین مقام پر اختلاف کیا گیا ہے۔

۸۷ے دراصل وَغَيْـرِهَـا کا مرجع مذکورہ بالا گیارہ مواقع نہیں ہیں بلکہ بقول ملاعلی قاریؒ اس کا مرجع سورۃ الشعراء ہے حقیقت یہ ہے کہ قاریؒ نے اس مقام پر یہ صحیح مرجع متعین فرما کر حضرت ناظمؒ کی مراد کو پانے میں نہایت صحیح رہنمائی کی ہے۔ ورنہ تمام شراح نے مذکورہ گیارہ مواقع کو ہی مرجع قرار دیا ہے جس سے ناظمؒ کے کلام پر اعتراض ہوا کہ سورۃ الشعراء والا موقع تو بے شک مقطوع ہے مگر دس مواقع میں خُلف ہے حالانکہ حضرت ناظمؒ ان دس مواقع کو الشعراء کے ساتھ بیان فرما کر یہ تاثر دے رہے ہیں کہ جس طرح باتفاق شعراء میں قطع ہے اسی طرح باتفاق باقی دس مواقع پر بھی قطع ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں شارحین نے حضرت ناظمؒ پر اعتراضات اٹھائے ہیں اور ان کی بہت سی تاویلات کی ہیں اور بعض نے ناظمؒ کے سہو اور وہم کا بیان فرمایا ہے مگر قاریؒ کی صحیح وضاحت سے ان اشعار کی صحیح ترجمہ و توضیح ہوئی اور کوئی اشکال باقی نہ رہا چنانچہ حضرت جزری النشر ج ۲ صفحہ ۱۴۹ پر ایسے ہی فرمارہے ہیں کہ فِيْـمَـا گیارہ جگہ مفصول ہے ان گیارہ میں سے شعراء والا بالاتفاق مفصول ہے۔ اور باقی دس میں اختلاف ہوا ہے تاہم ان دس میں بھی اکثر مواقع میں مقطوع ہی ہے۔ (ماخوذ از الجواہر النقیہ صفحہ ۲۳۶)

(۱) اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ (الشعراء)(۲) اَیْنَمَا ثُقِفُوْا (الاحزاب)
(۳) اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ (النساء)

علماء نے فرمایا ہے کہ مذکورہ تینوں مواقع پر اکثر مصاحف میں قطع لکھا گیا ہے اور بعض مصاحف میں موصول ہے ان مذکورہ پانچ مواقع کے علاوہ اَیْنَ مَا کو ہر جگہ بالاتفاق مقطوع ہی لکھا گیا ہے۔

(۹۰) وَصِلْ فَاِلَّمْ هُوْدَ اَلَّنْ نَّجْعَلَا
نَجْمَعَ كَیْلَا تَحْزَنُوْا تَاْسَوْا عَلٰی

ت : اور موصول لکھو فَاِلَّمْ کو ہود میں، اَلَّنْ نَّجْعَلَ کو اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ کو لِكَیْلَا تَحْزَنُوْا کو اور لِكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی کو۔

ش : اِنْ شرطیہ کا لَمْ کے ساتھ وصل کرو ایک مقام میں یعنی فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ (ہود) میں اور اس کے سوا یہ لفظ ہر جگہ مقطوع لکھا گیا ہے اور موصول ہے اَنْ لَّنْ مفتوحہ مخففہ دو مقام پر (۱) اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (۲) اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (القیامہ) باقی سب جگہ یہ مقطوع آیا ہے۔

چار مواقع پر كَیْ کا لفظ لَا سے وصل کر

(۱) لِكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ (آل عمران) (۲) لِكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ (الحدید)

(۹۱) حَجٌّ عَلَیْكَ حَرَجٌ وَقَطْعُهُمْ
عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ مَنْ تَوَلّٰی یَوْمَ هُمْ

ت : حج والا اور عَلَیْكَ حَرَجٌ والا اور قاریوں کے نزدیک مقطوع ہے عَنْ مَّنْ

یَشَآءُ اور عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی میں اور یَوْمَ ھُمْ۔

ش : تیسرا موقع لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا (الحج)

(۴) لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْکَ حَرَجٌ (الاحزاب) اوران چار مواقع کے علاوہ کَیْ لفظ لَا سے مقطوع لکھا گیا ہے۔

اور حضرات قراء کے نزدیک عَنْ کو مَنْ سے دو مقام پر قطع کر کے لکھا گیا ہے (۱) وَیَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ (النور) (۲) عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا (النجم)

اور قراء نے اتفاق کیا ہے یَوْمَ کو ھُمْ سے مقطوع لکھنے پر دو مقام میں (۱) یَوْمُ ھُمْ بَارِزُوْنَ ((المومن) (۲) یَوْمَ ھُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ (الذاریات) اور باقی سب جگہ موصول آیا ہے جیسے یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ اور یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ (الطّور)

(۹۲) وَمَالِ هٰذَا وَالَّذِیْنَ هٰٓؤُلَا
تَحِیْنَ فِی الْاِمَامِ صِلْ وَوُهِّلَا

ت : اور مَالِ هٰذَا اور فَمَالِ الَّذِیْنَ اور فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ میں قطع ہے اور لَا تَحِیْنَ کو مصحف امام میں موصول لکھا گیا ہے اور غلطی ہوئی ہے (بعض لوگوں سے اسے مقطوع لکھنے میں)

ش : مَالِ کے لام جارہ کا اس کے مجرور سے چار مقام پر باتفاق قطع ہے ان میں سے دو مقام پر تو مَالِ کے بعد هٰذَا کا لفظ آیا ہے۔ تیسرے موقع پر الَّذِیْنَ آیا ہے اور چوتھے موقع پر هٰٓؤُلَآءِ آیا ہے وہ چار مواقع یہ ہیں۔

(۱) مَالِ هٰذَا الْکِتَابِ (الکہف) (۲) مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ (الفرقان) (۳)

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (المعارج) (۴) فَمَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ (النساء)۔

لَا تَـحِيْـنَ مَنَاصٍ (ص) مصحف امام کے رسم خط کے مطابق تاء حِيْنَ کے لفظ سے موصول ہے اسی واسطے حضرت ناظمؒ نے فرمایا کہ حِيْنَ مصحف امام میں تاء کے ساتھ موصول ہے لہٰذا وصل کرو اور ان لوگوں سے غلطی واقع ہوئی ہے جو کہ بعض مصاحف میں تاء کو حِيْـنَ سے قطع کر کے لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح المقدمۃ الجزریہ میں فرماتے ہیں۔ ''مصحف امام کی رسم لَا تَحِيْنَ تاء موصولہ کے ساتھ ہے اور مصحف امام کے سوا مصحف مکی۔ مصحف شامی اور مصحف عراقیین میں رسم لَاتَ حِيْـنَ یعنی مفصول ہے۔ لَاتَ اکثر لوگوں کے قول کے مطابق لائے نافیہ ہے اور اس پر تاء تانیث کلمہ کی نشانی کے واسطے داخل ہوئی ہے تا کہ اس کلمہ کی مشابہت فعل کے کلمہ سے ہو جائے جیسے لَيْسَتْ کے اور جیسے رُبَّ اور ثُمَّ میں رُبَّتْ اور ثُمَّتْ بھی وارد ہے۔

قراء نے اس کلمہ پر وقف کرنے میں اختلاف کیا ہے پس امام کسائیؒ تاء کو ھاء ساکنہ سے بدل کر وقف کرتے ہیں اس وجہ سے کہ سبب اصلی میں کہ تاء تانیث لکھنے میں اور وقف کرنے میں ھاء کی مانند ہے اور باقی تمام قراء تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک لَا پر وقف ہے اور ابتداء تَـحِيْـنَ سے کی جائے کیونکہ میں نے اس کو مصحف امام میں تَـحِيْـنَ ہی دیکھا ہے اور امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ نے فرمایا کہ یہ تاء تَحِيْنَ میں زیادہ کی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے تَحِيْنَ كَانَ كَذَا اور یہ سب بحث تحریر فرمائی ہے علامہ ابوبکر احمد بن الجزریؒ نے اپنی شرح الحواشی المفہمہ میں۔ انتہیٰ

(۹۳) اَوْ وَّزَنُـوْهُـمْ وَكَـالُـوْهُـمْ صِـلِ
كَـذَا مِـنَ الْ وَهَـا وَيَـا لَا تَـفْـصِـلِ

ت : اَوْ وَّزَنُوْهُمْ اور كَالُوْهُمْ کے موصول ہونے پر اتفاق ہے ایسے ہی اَلْ اور هَا

اولٰیا کو مابعد سے مفصول نہ لکھو۔

ش : قاریوں نے اتفاق کیا ہے کہ وَزَنُوْ اور کَالُوْ کے کلمات ھُمْ کے ساتھ موصول لکھے جائیں یعنی وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ (المطففین) ۹ے

اسی طرح اَلْ یعنی لام تعریف کو کہ تعریف کے واسطے ہے اور لفظ ھَا کو جو کہ خبردار کرنے کے لئے لاتے ہیں اور لفظ یَا جو کہ حرف نداء یعنی پکارنے کے لئے مقرر ہے یہ تینوں کلمات بھی جس لفظ کے ساتھ آئیں اس لفظ کے ساتھ بولنے اور لکھنے میں فصل مت کرو جیسے اَلْاَرْضِ۔ اَلسَّمَآءِ۔ ھٰذَا۔ ھٰۤؤُلَآءِ۔ یٰۤاَیُّھَاالْاِنْسَانُ اور یٰبُنَیَّ وغیرہ پس ان حروف پر وقف کرنا صحیح نہ ہوگا اور ان کے مابعد سے ابتداء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ (کذا شرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

بَابُ ھَآءِ التَّانِیْثِ الَّتِیْ رُسِمَتْ تَآءً

تاء تانیث کے رسم کا بیان

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح جزری میں فرماتے ہیں کہ ”جو تاء تانیث ھاء کی صورت میں لکھی جاتی ہے اس پر بالاتفاق تو وقف ھاء سے ہوتا ہے اور جو تاء فوقانی یعنی لمبی تاء کی

۹ے پہلا مصرعہ کے درج ذیل نسخے ملتے ہیں۔

(۱) کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ صِلِ یہ شارح رومی نے تحریر فرمایا ہے اور الجواہر النقیہ میں بھی یہی مصرعہ مستعمل ہے اور انہوں نے اس کے اختیار کرنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ یہ قرآنی ترتیب کے مطابق ہے۔

(۲) وَوَزَنُوْھُمْ وَکَالُوْھُمْ صِلِ یہ شیخ زکریا انصاری اور قاریؒ نے اپنایا ہے اور وَّوَزَنُوْھُمْ یعنی واؤ ثانی کی تشدید سے علامہ احمد الجزریؒ صاحبزادہ ناظمؒ نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے۔

(۳) اَوْ وَّزَنُوْھُمْ وَکَالُوْ ھُمْ صِلِ یہ حضرت شارح نے اپنایا ہے اور غالب قیاس یہ ہے کہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے بھی یہی مصرعہ تحریر فرمایا ہے نیز یہی مصرعہ حضرت قاری سعید احمد اجراڑویؒ نے القلائد الجوہریہ شرح المقدمہ الجزریہ میں تحریر فرمایا ہے۔

صورت پر لکھی جاتی ہے سو اس میں اختلاف کیا گیا ہے یعنی اس بات کا اختلاف ہے کہ اس لمبی تاء پر بالھاء وقف کیا جائے یا بالتاء۔ امام ابن کثیر مکی' امام ابوعمرو بصری اور امام کسائی الکوفی رحمہم اللہ وقف بالھا کرتے ہیں اور رسم خط کا اعتبار نہیں کرتے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے تا کہ تاء تانیث کے وقف کا ایک ہی طریق رہے اور تاء مطولہ پر وقف بالھاء یہ قریش کی لغت ہے اور امام نافع مدنی اور امام ابن عامر شامی اور امام عاصم کوفی اور امام حمزہ کوفی رحمہم اللہ یہ چاروں حضرات تاء مطولہ پر وقف بالتاء کرتے ہیں رسم الخط کا اعتبار کرتے ہوئے اور یہ لغت قبیلہ طے کی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس اختلاف آئمہ سے معلوم ہوا کہ وقف کے احکام میں رسم خط کا اعتبار کرنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ مقطوع وموصول کے باب میں بھی بعض مقامات پر یہ مضمون معلوم ہو چکا ہے یعنی اگر رسم خط کا اعتبار کرنا احکام وقف میں ضروری ہوتا تو یہ اختلاف ائمہ ظاہر نہ ہوتا کہ بعض تو رسم الخط کا اعتبار کرتے ہیں اور بعض رسم الخط کا اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ ۸۰

۸۰ حضرت شارحؒ نے یہاں دوبارہ رسم کی اہمیت سے اعراض فرمایا ہے اور بطور دلیل ائمہ قراءات کے اختلافات کا ذکر کرتے ہیں۔ دراصل جس لفظ کے افراد اور جمع میں فن قرآءات میں اختلاف ہو تو وہ لفظ قرآنی رسم الخط میں تاء طویلہ کے ساتھ مرسوم ہوگا یہ اصول شمول قرآءت کے لیے اختیار کیا گیا ہے کیونکہ جمع تو ہمیشہ تاء طویلہ کے ساتھ ہی مرسوم ہوتی ہے اور وقفاً وصلاً تاء ہی پڑھی جاتی ہے بخلاف مفرد کے کہ اس کو تاء طویلہ اور تاء مربوطہ دونوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے۔ لہٰذا اس قسم کے کلمات کو لمبی تاء کے ساتھ لکھا گیا تا کہ مفرد وجمع کی دونوں قرآءتوں کو شامل ہو سکے۔ اس کے برخلاف اگر مفرد کی قرآءت کی رعایت کرتے ہوئے ایسے کلمات تاء مربوطہ کے ساتھ لکھے جاتے تو جمع والی قرآءت ان پر منطبق نہ ہو سکتی۔

باجماع امت مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کا دو باتوں میں اتباع ضروری ہے ایک قرآن کی کتابت میں دوسرے وقف میں۔ بنیادی طور پر یہ مسئلہ تمام قراء میں متفق علیہ ہے کہ کلمہ کو وقف میں اسی طرح پڑھا جائے جس طرح اس کا رسم الخط ہو۔ البتہ رسم الخط کی مطابقت عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا تقدیراً۔ بعض قرآءتوں میں جو بظاہر رسم الخط کے خلاف وقف کا کسی کسی کلمہ میں جواز ملتا ہے وہ مطابقت تقدیری ہوتی ہے جیسا کہ قرآءت کی کتابوں میں ان کلمات کی تفصیل مذکور ہے۔ اس موضوع پر مزید مطالعہ کے شائق حضرات ایضاح المقاصد شرح رائیہ کا مطالعہ فرمائیں۔

قراء حضرات کا اس بات میں اختلاف ہے کہ تاء تانیث اصل ہے یا تاء مطولہ کہ وقف کی حالت میں ھاء کے ساتھ بدلی گئی ہے یا اصل میں ھاء ھوز ہے کہ جو وصل کی حالت میں تاء سے بدلی گئی ہے۔ سیبویہؒ اور ایک نحویوں کی جماعت پہلی بات کی طرف گئے ہیں کہ تاء فوقانی اصل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تاء حالت وصل میں جو کہ حالت اصلی ہے موجود رہتی ہے اور حالت وقف میں جو تاء ھا سے بدل جاتی ہے پس یہ تاء تانیث اور تاء اصلی کے مابین فرق کرنے کے لئے ہے تاء اصلی جیسے عِفْرِيْتٌ - مَلَكُوْتٌ وغیرہ۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس تاء کو جو ھاء سے بدلتے ہیں وہ اس وجہ سے ہے کہ تاء تانیث اور تاء فعل کے مابین فرق ہو سکے تاء فعل جیسے خَرَجْتُ - ضَرَبْتُ وغیرہ۔

سیبویہؒ کے علاوہ باقی لوگ دوسرے قول کی طرف گئے ہیں یعنی اصل میں وہ تاء تانیث کی ھاء ھوز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تاء تانیث کو بصورت ھاء لکھا جاتا ہے ماسوا مصاحف کے یعنی خطوں، اشعار، کتب وغیرہ میں بلکہ مصاحف میں بھی زیادہ جگہ ایسے ہی تحریر کی جاتی ہے اور وصل کی حالت میں وہ ھاء تاء سے بدلی جاتی ہے اس لئے کہ وصل لفظ کے آخری حرف کی حرکت کے ظاہر پڑھنے کی حالت ہے اور ھاء ضعیف حرف ہے جو حرف علت کے مشابہ ہے اپنے پوشیدہ ہونے کے سبب اور حرف علت میں بولنے کا قاعدہ جاری ہے پس اس کو حالت وصل میں بدلا گیا اس حرف کے ساتھ جو اس کے حال کے مناسب تھا یعنی اس کو ایسے حرف سے بدلنا مناسب تھا کہ وہ حرف اس کے ضعف کو ختم کرے اور وہ حرف ھاء سے قوی ہو پس وہ حرف تاء ہے کہ اپنی شدت کی وجہ سے ھاء سے زیادہ قوی ہے۔

اب یہاں حضرت مصنفؒ ان تاء تانیث کا ذکر فرماتے ہیں جو کہ تاء فوقانی لکھی گئی ہیں اور ان مذکور کے علاوہ جس قدر تاء تانیث ہیں وہ سب ھاء ھوز سے لکھی گئی ہیں۔

(۹۴) وَرَحْمَتُ الزُّخْرُفِ بِالتَّا زَبَرَهْ
الْاَعْرَافِ رُوْمٍ هُوْدَ كَافَ الْبَقَرَهْ

ت : اور رَحْمَتْ الزخرف میں تاءمطولہ سے دومقام پر ہے اور الاعراف، الروم، ہود، کاف اور البقرہ میں۔

ش : یعنی رَحْمَتْ تاءمطولہ سے درج ذیل سات مقامات پر لکھا گیا ہے جن میں سے دو سورۃ الزخرف میں ہیں۔

(۱) اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ (الزخرف)(۲) وَرَحْمَتُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (الزخرف)(۳) اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف)(۴) فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ (الروم)(۵) رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ (ہود)(۶) ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ (کاف یعنی مریم) چونکہ سورہ مریمؑ حرف کاف سے شروع ہورہی ہے۔اس لئے حضرت مصنفؒ نے اس کا نام سورۃ کاف تحریر فرمایا ہے۔(۷) اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ (البقرہ) اوران سات مقامات کے علاوہ رَحْمَتْ ھا ھوز سے ہے اور الزخرف سے لے کر البقرہ تک سب مضاف الیہ لفظ رَحْمَتْ کے ہیں۔

(۹۵) نِعْمَتُھَا ثَلٰثُ نَحْلِ اِبْرَھَمْ
مَعًا اَخِیْرَاتٌ عُقُوْدُ الثَّانِ ھَمّْ

ت : نِعْمَتْ اس البقرہ میں اور تین مواقع النحل میں ابراہیمؑ میں دو اس طرح پر کہ یہ (البقرہ، النحل اور ابراہیمؑ کے) آخری الفاظ ہیں اور عقود کا دوسرا نِعْمَتْ ھَمَّ کے ہمراہ۔

ش : لفظ نِعْمَتْ دراز تاء سے قرآن میں گیارہ مواقع پر آیا ہے پس سورۃ البقرہ کا ایک اور سورۃ النحل کے تین اور سورۃ ابراہیمؑ کے دو یہ تمام چھ مواقع ان تینوں مذکورہ سورتوں کے آخری مواقع ہیں معلوم ہوا کہ ان آخری مواقع کے علاوہ یہ لفظ نِعْمَتْ تینوں سورتوں میں تاء تانیث سے مرسوم ہوا ہے۔اسی طرح سورۃ المائدہ کا دوسرے موقع پر نِعْمَتْ جو ھَمَّ کے لفظ کے

ساتھ آیا ہے وہ تاء مطولہ سے ہے اور پہلا موقع تاء تانیث سے ہے حضرت مصنف ؒ نے یہاں سورۃ المائدہ کا نام عقود تحریر فرمایا ہے اس وجہ سے کہ سورۃ المائدہ کے شروع میں عقود کا لفظ آ رہا ہے۔ نِعْمَتْ کے گیارہ مواقع میں سے سات اس شعر میں بیان کئے گئے ہیں جن کا بالترتیب بیان اس طرح ہے۔

(۱) وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ. (البقرہ)
(۲) وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (النحل) (۳) وَيَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ (النحل) (۴) وَاشْكُرُوْا نِعْمَتِ اللّٰهِ (النحل) اور سورۃ النحل کا پہلا موقع جو گول تاء سے ہے وہ یہ ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تَحْصُوْهَا. (۵) وَبَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا (ابراہیم) (۶) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تَحْصُوْهَا (ابراہیم) (۷) اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ (المائدہ)

(۹۶) لُقْمَنَ ثُمَّ فَاطِرٌ كَالطُّوْرِ
عِمْرٰنَ لَعْنَتَ بِهَا وَالنُّوْرِ

ت : (اور لفظ نِعْمَتْ) لقمان میں بعد اس کے الفاطر میں اور الطّور میں اور آل عمران میں لفظ لَعْنَتْ آل عمران میں اور النور میں۔

ش : (۸) تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ (لقمان) (۹) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ (الفاطر) (۱۰) فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ (الطّور) (۱۱) وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً (آل عمران) اور ان گیارہ مواقع کے علاوہ باقی سب جگہ لفظ نِعْمَتْ گول تاء سے آیا ہے۔

لفظ لَعْنَتْ دوجگہ تاءمطولہ سے آیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (آل عمران)(۲) وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ (النور) ان دومواقع کے علاوہ باقی سب جگہ گول تاء سے آیا ہے۔

(۹۷) وَامْرَاَتُ يُّوْسُفَ عِمْرٰنَ الْقَصَصْ
تَحْرِيْمَ مَعْصِيَتْ بِقَدْ سَمِعْ يُخَصْ

ت : لفظ اِمْرَاَتُ یوسف (دوجگہ) آل عمران القصص اور التحریم میں (تین جگہ) ہے اور لفظ مَعْصِيَتْ قَدْ سَمِعَ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے (دومواقع میں)

ش : اِمْرَاَتُ سات مواقع پر لمبی تاء سے آیا ہے جو درج ذیل ہیں۔(۱-۲) قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ (دومقام پر یوسف)(۳) اِذْقَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ (آل عمران) (۴) وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنُ (القصص)(۵) اِمْرَاَتَ نُوْحٍ (التحریم)(۶) وَ امْرَاَتَ لُوْطٍ (التحریم)(۷) اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ (التحریم) اور باقی تمام جگہ گول تاء سے آیا ہے۔ لفظ اِمْرَاَتْ کا ضابطہ یہ ہے کہ یہ لفظ جہاں بھی اپنے زوج کے ساتھ مذکور ہے وہاں تاءمطولہ سے ہے اور جہاں اپنے زوج کے ساتھ مذکور نہیں ہے وہاں تاء تانیث سے مرسوم ہے۔

لفظ مَعْصِيَتْ لمبی تاء سے دوجگہ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ یعنی سورۃ المجادلہ میں ہی آیا ہے اور یہ ایک ہی کلمہ ہے جو مکرر دوبار آیا ہے۔(۱-۲) وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ (المجادلہ)

(۹۸) شَجَرَتَ الدُّخَانِ سُنَّتْ فَاطِرِ
كُلًّا وَّالَا نْفَالِ وَاُخْرٰى غَافِرِ

ت : شَجَرَتْ الدخان میں سُنَّتْ الفاطر کے تمام اور انفال کا اور الغافر کا آخری (لمبی تاء سے ہیں)

ش : لفظ شَجَرَتْ سورۃ الدخان میں ایک جگہ لمبی تاء سے ہے یعنی اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (الدخان)

لفظ سُنَّتْ پانچ جگہ پر لمبی تاء سے آیا ہے جو یہ ہیں۔

(۱) فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ (الفاطر)(۲) فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الفاطر)(۳) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (الفاطر)(۴) مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (الانفال)(۵) سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ (الغافر)

سورۃ الغافر یعنی سورۃ المومن کا یہ آخری والا موقع مراد ہے۔

(۹۹) قُرَّتُ عَيْنٍ جَنَّتٌ فِيْ وَقَعَتْ
فِطْرَتْ بَقِيَّتْ وَابْنَتٌ وَّ كَلِمَتْ

(۱۰۰) اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ وَكُلُّ مَا اخْتُلِفْ
جَمْعًا وَّفَرْدًا فِيْهِ بِالتَّآءِ عُرِفْ

ت : قُرَّتُ عَيْنٍ — جَنَّتٌ سورۃ الواقعہ میں۔ فِطْرَتْ — بَقِيَّتْ اور اِبْنَتْ اور كَلِمَتْ۔

وسط اعراف میں اور وہ تمام کلمات جو جمع وافراد میں مختلف فیہ ہیں بالتاء مطولہ معروف ہیں۔

ش : لفظ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ایک مقام پر سورۃ القصص میں ہے۔ لفظ جَنَّتْ (الواقعہ) میں یعنی فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ اور لفظ فِطْرَتْ ایک مقام پر سورۃ الروم میں یعنی فِطْرَتَ اللّٰهِ اور لفظ بَقِيَّتْ ایک مقام سورۂ ہود میں یعنی بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اور لفظ اِبْنَتْ ایک جگہ سورۂ التحریم میں یعنی مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ اور لفظ كَلِمَتْ سورۂ اعراف میں یعنی وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى یہ چھ کلمات تاء فوقانی سے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مصنفؒ اس باب کا قاعدہ اور ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ جس لفظ کے جمع یا مفرد ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے یعنی بعض قراء اس کو صیغہ جمع سے پڑھتے ہیں اور بعض صیغہ مفرد سے پڑھتے ہیں ان سب تاءات کو تاء مطولہ کے ساتھ لکھا گیا ہے اور ایسی تاءات آٹھ مقام پر ہیں۔

(۱) وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا (الانعام) یہاں لفظ كَلِمَتُ کو امام عاصمؒ، امام حمزہ اور امام کسائی رحمہم اللہ نے مفرد اور باقین نے جمع پڑھا ہے۔

(۲) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا (یوسف کا پہلا موقع) اس جگہ لفظ كَلِمَتُ کو امام نافعؒ اور امام ابن عامر شامیؒ نے مفرد اور باقین نے جمع پڑھا ہے۔

(۳) اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ (یوسف) اس کلمہ اٰيٰتٌ کو امام ابن کثیرؒ نے مفرد اور باقین نے بالجمع پڑھا ہے۔

(۴) وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ اور اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ (دونوں یوسف) لفظ غَيٰبَتِ کو امام نافعؒ نے بالجمع پڑھا ہے اور باقین مفرد پڑھتے ہیں۔

(۵) وَلَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (العنکبوت) اس جگہ لفظ اٰيٰتٌ امام ابن کثیرؒ، شعبہؒ، امام حمزہؒ اور امام کسائی رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے مفرد پڑھا ہے اور باقین جمع پڑھتے ہیں۔

(۶) وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (السباء) میں لفظ اَلْغُرُفٰتِ کو امام حمزہؒ اور امام کسائیؒ مفرد اور باقین جمع پڑھتے ہیں۔

(۷) عَلٰى بَيِّنٰتٍ مِّنْهُ (الفاطر) یہاں بَيِّنٰتٍ کو امام نافعؒ، امام ابن عامر شامیؒ، شعبہؒ اور امام کسائی رحمہم اللہ علیہم اجمعین مفرد پڑھتے ہیں اور باقین جمع پڑھتے ہیں۔

(۸) جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (المرسلات) میں لفظ جِمٰلَتٌ کو حفصؒ، امام حمزہ اور امام کسائی

رحمہم اللہ علیہم اجمعین مفرد اور باقین جمع پڑھتے ہیں۔

ایسے کلمات جن میں مفرد صیغہ ہے تاء فوقانیہ سے لکھے جاتے ہیں عربی رسم الخط کے برخلاف اور یہ تمام مصاحف عثمانیہ میں انداز رکھا گیا ہے جبکہ جمع کے صیغہ والے کلمات کو اصل قاعدے کے موافق تاء فوقانیہ سے لکھا گیا ہے جیسا کہ اصول ہے کہ صیغہ جمع والی تاء لمبی لکھی جاتی ہے مگر سورۂ یونس میں جو دوسرے مقام پر لفظ کَلِمَتُ واقع ہے یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ اور سورۂ مومن میں جو لفظ کَلِمَتُ واقع ہے یعنی وَکَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ عَلَى الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تو ان دونوں مقام میں امام نافعؒ اور امام ابن عامر شامیؒ نے جمع کے صیغہ سے پڑھا ہے اور باقی سب نے مفرد کے صیغہ سے پڑھا ہے پس یہ دونوں ان مقامات میں سے ہیں جن کے مفرد اور جمع پڑھنے میں اختلاف ہے اگرچہ قاعدہ مذکورہ میں داخل ہیں کہ دراز تاء سے لکھے جائیں مگر ان دونوں مقامات پر تاء مطولہ سے لکھنے میں مصاحف عثمانیہ میں اختلاف ہے بقایا تمام وہ مواقع جو ابھی پیچھے بیان ہوئے بالاتفاق تمام مصاحف عثمانیہ میں دراز تاء سے ہی لکھے گئے ہیں۔

پس اگر رسم سے جس کا بیان باب تاء تانیث کے شروع میں آچکا ہے وہ الفاظ مراد ہوں کہ جن کا لکھا جانا دراز تاء سے تمام مصاحف عثمانیہ میں متفق علیہ ہے تو ضروری ہے کہ ان دونوں مذکورہ مواقع کا استثناء کیا جائے گا یعنی اس قاعدہ مذکورہ سے ان دونوں مواقع کو جدا رکھو اور اگر عام معانی مراد ہوں یعنی اس بات سے کوئی غرض نہ ہو کہ مصاحف عثمانیہ اس کو لکھنے میں متفق ہیں یا مختلف اس بات سے کوئی غرض نہ ہو بلکہ صرف قاعدہ اور ضابطہ مراد ہو تو ان دونوں مقام کا استثناء کرنا ضروری نہیں۔

اب حضرت مصنفؒ ھمزہ وصل کا بیان جو وقف کے متممات سے ہے (یعنی پورا کرنے والے امور میں سے ہے) کو شروع فرماتے ہیں۔

بَابُ هَمْزِ الْوَصْلِ
ہمزہ وصل کا بیان

(۱۰۱) وَابْدَأْ بِهَمْزِ الْوَصْلِ مِنْ فِعْلٍ بِضَمّ
إِنْ كَانَ ثَالِثٌ مِّنَ الْفِعْلِ يُضَمّ

ت : اور ابتداء کرو فعل کی ھمزہ مضموم کے ساتھ اگر فعل کا تیسرا حرف مضموم ہو۔

ش : یعنی وقف کرنے کے بعد ھمزہ وصل کو جو کہ فعل امر میں ہے ضمہ دے کر پڑھو اور یہ اس وقت ہو گا جب فعل امر کا تیسرا حرف لازمی ضمہ والا ہو جیسے اُنْصُرْ ۔ اُقْتُلُوْا وغیرہ۔

(۱۰۲) وَاكْسِرْهُ حَالَ الْكَسْرِ وَالْفَتْحِ وَفِي
الْاَسْمَآءِ غَيْرِ اللَّامِ كَسْرُهَا وَفِي

(۱۰۳) اِبْنٍ مَّعَ ابْنَةِ امْرِئٍ وَّاثْنَيْنِ
وَامْرَأَةٍ وَّاسْمٍ مَّعَ اثْنَتَيْنِ

ت : اور کسرہ دے ھمزہ وصل کو جبکہ فعل کا تیسرا حرف مکسور یا مفتوح ہو اور اسماء بغیر لام میں ھمزہ کا کسرہ ہے اور اِبْنٍ مع اِبْنَتٌ کے اور اِمْرِئٌ اور اِثْنَيْنِ اور اِمْرَاَةٍ اور اِسْمٍ مع اِثْنَتَيْنِ کے۔

ش : یعنی ھمزہ وصلی کو کسرہ دیا جائے گا جبکہ فعل کا تیسرا حرف مکسور یا مفتوح ہو جیسے اِضْرِبْ ۔ اِعْلَمْ ۔ اِذْهَبْ وغیرہ اور اگر فعل کا تیسرا حرف ضمہ غیر لازمی کے ساتھ مضموم ہو یعنی وہ ضمہ اصلی نہ ہو بلکہ عارضی ہو جیسے اِمْشُوْا تو اس کے ھمزہ کو بھی کسرہ دے کیونکہ اس

صورت میں تیسرا حرف مکسور ہے۔[۸۱]

اور اسماء بغیر لام میں یعنی جن اسماء میں لام تعریف نہیں پایا جاتا ہے ھمزہ کا کسرہ ہے یعنی ان اسماء میں ھمزہ وصلی کو مکسور پڑھو اور جن اسماء میں لام تعریف پایا جاتا ہے ان میں ھمزہ وصلی مفتوح ہے جیسے اَلسَّمَآءُ۔ اَلْاَرْضُ۔ اَلشَّمْسُ۔ اَلْقَمَرُ وغیرہ۔

جاننا چاہیے کہ ھمزہ وصل اسماء قیاسی اور سماعی دونوں میں ہوتا ہے۔ اسماء قیاسی سے مراد یہ ہے کہ جو مصدر کہ اس کے الف کے ماسوا اس کے فعل ماضی میں چار حرف زیادہ ہوں اس کا ھمزہ مکسور ہوتا ہے اور یہ گیارہ الفاظ ہیں۔

(۱) اِفْتِعَالٌ (۲) اِسْتِفْعَالٌ (۳) اِنْفِعَالٌ (۴) اِفْعِلَالٌ (۵) اِفْعِيْلَالٌ (۶) اِفْتِيْعَالٌ (۷) اِفْعِوَّالٌ (۸) اِفْعِنْلَالٌ (۹) اِفْعِلَّالٌ (۱۰) اِفْعِيْعَالٌ (۱۱) اِفْعِنْلَاءٌ۔

درج ذیل کلمات کو حضرت ناظمؒ نے اسماء بغیر لام کہا ہے اور ہمزہ سماعی سے مراد (۱) اِبْنٌ اور (۲) اِبْنَتٌ وغیرہ ہیں جیسا کہ حضرت مصنفؒ فرما رہے ہیں اور کسرہ دے ہمزہ کو لفظ (۱) اِبْنٌ میں ہمراہ (۲) اِبْنَۃٌ اور (۳) اِمْرِئٌ اور (۴) اِثْنَيْنِ اور (۵) اِمْرَاَۃٌ اور (۶) اِسْمٌ (۷) اِثْنَتَيْنِ میں۔

بَابُ الرَّوْمِ وَالْاِشْمَامِ

روم واشمام کا بیان

جاننا چاہیے کہ قاری کے لئے وقف میں تین احوال ہیں (۱) اسکان محض یعنی جس حرف پر وقف کرنا ہے اس کو ساکن کرنا خالص سکون کے ساتھ۔

---

[۸۱] ایسے کلمات قرآن میں پانچ مذکور ہوئے ہیں کہ جن کے تیسرے حرف پر ضمہ عارضی ہے۔
(۱) اِمْشُوْا (۲) اِتَّقُوْا (۳) اِقْضُوْا (۴) اِيْتُوْا (۵) اِبْنُوْا

(۲)روم(۳)اشمام

اصل اور زیادہ تر جو وقف کیا جاتا ہے وہ اسکان محض ہے یعنی جو روم اور اشمام کے بغیر ہو کیونکہ وقف کا مقصد استراحت یعنی آرام طلبی ہے اور اسکان خالص روم اور اشمام کے مقابلہ میں حصول استراحت میں زیادہ ہے۔

اور کبھی روم کے ساتھ وقف کیا جاتا ہے اور روم حکم میں وصل کے ہے جیسا کہ اوپر راء کی تفخیم کے بیان میں مذکور ہوا اور کبھی وقف اشمام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب حضرت مصنفؒ روم اور اشمام کا بیان اپنی نظم میں فرمارہے ہیں۔

(۱۰۴) وَحَاذِرِ الْوَقْفَ بِكُلِّ الْحَرَكَهْ
اِلَّا اِذَا رُمْتَ فَبَعْضَ الْحَرَكَهْ

(۱۰۵) اِلَّا بِفَتْحٍ اَوْ بِنَصْبٍ وَّاَشِمْ
اِشَارَةً بِالضَّمِّ فِىْ رَفْعٍ وَّضَمْ

ت : اور پرہیز کر اور محفوظ رکھ اور بچاؤ وقف کو پوری حرکت سے مگر جس وقت کہ تو روم کرلے تب تھوڑی سی حرکت پڑھ۔

مگر فتحہ یا نصب میں روم مت کر اور اشمام کر اشارے کے ساتھ دونوں ہونٹوں کو ملا کے (اس طرح پر کہ تھوڑا سا سوراخ ہونٹوں کے درمیان رہے) ضمہ اور رفع کے لئے۔

ش : اور پرہیز کر اور محفوظ رکھ اور بچاؤ وقف کو مکمل حرکت سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح میں فرماتے ہیں کہ ''وقف میں اصل اسکان مجرد ہے'' اور علامہ دانیؒ التیسیر میں فرماتے ہیں کہ قراء کا معمول ہے کہ لفظ کے آخر میں جو وصلاً متحرک ہوتا ہے سکون کے ساتھ وقف کرتے ہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں یعنی وقف میں کوئی حرکت نہیں لاتے ہیں کیونکہ سکون وقف میں اصل ہے۔

پس حضرت ناظمؒ فرماتے ہیں کہ وقف میں تینوں حرکات سے پرہیز کرو چاہے وہ حرکت مبنی کی حرکت ہو یعنی زبر، زیر، پیش خواہ معرب کی حرکت یعنی دوزبر، دوزیر، دوپیش سب سے ہی پرہیز کرو۔

مگر جس وقت روم کے ساتھ وقف کرو تو تھوڑی سی حرکت پڑھو مگر فتحہ یعنی ایک زبر یا نصب یعنی دوزبر میں روم مت کرو کیونکہ اس میں روم درست نہیں ہے۔

اور اشمام یہ ہے کہ اشارے کے ساتھ دونوں ہونٹوں کو ملاؤ اس طرح سے کہ تھوڑا سا سوراخ دونوں ہونٹوں کے درمیان میں باقی رہے[۸۲] اور اس سے سانس باہر آئے اور یہ اشارہ کرنا ضمہ کی طرف ہو پس اشمام ہوتا ہے ایک پیش میں جیسے نَسْتَعِيْنُ اور رفع یعنی دو پیش میں جیسے عَزِيْزٌ۔

علامہ دانیؒ التیسیر میں فرماتے ہیں کہ روم کی حقیقت یہ ہے کہ آواز کو اس قدر ضعیف کرنا کہ اس حرکت کی زیادہ تر آواز معدوم ہو جائے اور حرکت کی تھوڑی سی آواز سنی جا سکے کہ قریب بیٹھا شخص اس کو سن لے اور اشمام کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہونٹوں کا انضمام ہو حرف کو اصل میں ساکن کرنے کے بعد (یعنی ضمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہونٹوں کو گول کرنا) اس کو نابینا نہیں دیکھ سکتا اس واسطے کہ اشمام آنکھ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے بغیر دیکھے اس کا ادراک ممکن نہیں۔

اب روم اور اشمام کی تشریح و وضاحت بیان کی جاتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شرح جزری میں فرماتے ہیں کہ کبھی وقف روم کے ساتھ ہوتا ہے اور روم تھوڑی سی حرکت کا ظاہر کرنا ہے اسی وجہ سے اس کی آواز ضعیف ہوتی ہے کیونکہ زبان کا عمل خفیف ہوتا ہے اور اس کو نزدیک بیٹھا شخص تو سن لیتا ہے مگر دور سے سننے والا نہیں سنتا اس وجہ سے کہ آواز ناتمام ہوتی ہے۔

روم فتحہ اور نصب میں نہیں ہوتا جیسے اَلصِّرَاطَ ـ اَنَابَ ـ اَنَّ ـ تَبَّ ـ حَكِيْمًا وغیرہ بلکہ روم مخصوص ہے ضمہ کے لئے جیسے نَسْتَعِيْنُ ـ مِنْ قَبْلُ اور رفع کے لئے جیسے عَلِيْمٌ ـ خَبِيْرٌ وغیرہ

اور کسرہ میں یعنی ایک زیر کے لئے جیسے وَاخْشَوْنِ ـ دَعَانِ ـ هٰٓؤُلَآءِ اور جر

۸۲ یعنی انضمام شفتین ہو۔

یعنی دوزیر کے لئے جیسے مِنْ تَصِیْرٍ میں اور روم اسم فعل مبنی معرب سب میں ہوتا ہے روم فتحہ میں نہیں ہوتا اس واسطے کہ فتحہ اداء میں ہلکا پن رکھتا ہے اور بسرعت ادا ہوتا ہے پس اگر فتحہ میں روم کیا جائے تو اس میں حرکت کا کچھ حصہ ادا نہ ہوگا بلکہ جیسا حالت وصل میں پورا ادا ہوتا ہے ویسا ہی ادا ہوگا۔

اور یہ بھی جان لو کہ اختلاس بھی روم کی طرح ہی ہے یعنی اختلاس میں بھی حرکت پوری نہیں پڑھی جاتی ہے بلکہ حرکت کا تھوڑا سا حصہ پڑھا جاتا ہے۔ روم اور اختلاس میں فرق اس بات کا ہے کہ روم ضمہ اور کسرہ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کلمہ کے آخری حرف پر حالت وقف میں کیا جاتا ہے جبکہ اختلاس عام ہے اور تینوں حرکتوں کے اوپر ہوتا ہے اور یہ کلمہ کے آخر کے ساتھ اور وقف کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کلمہ کے اول درمیان اور آخر میں ہوتا ہے اور حالت وصل میں کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ روم اور اختلاس میں یہ بھی فرق ہے کہ روم میں ایک تہائی حرکت پڑھی جاتی ہے اور دو تہائی حذف کی جاتی ہے جبکہ اختلاس میں دو تہائی حرکت ثابت رہتی ہے اور ایک تہائی حذف ہوتی ہے۔ معتبر قراء کرام نے یہی فرمایا ہے دراصل روم اور اختلاس لکھ کر نہیں سمجھایا جا سکتا بلکہ یہ ماہر قاریوں سے سننے پر موقوف ہے اور کبھی وقف اشمام کے ساتھ ہوتا ہے اور اشمام دونوں ہونٹوں کا ملانا ہے اور تھوڑا سا سوراخ دونوں ہونٹوں کے درمیان میں چھوڑنا کہ اس سوراخ سے سانس باہر آئے اور ان ہونٹوں کے ملانے سے ضمہ کی طرف اشارہ کرے سو اشمام دیکھا جاتا ہے اور سنا نہیں جاتا کیونکہ اشمام میں آواز نہیں ہے بلکہ اشمام انضمام شفتین کرتے ہوئے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا ہے یعنی اشمام میں حرف کو گویا حرکت کی بو سنگھائی ہے اور اشمام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرف متحرک ہے اور وقف کے سبب اسے ساکن کیا گیا ہے اور اشمام صرف ضمہ اور رفع کے واسطے خاص ہے اس لئے کہ اشمام کو ضمہ اور رفع سے مناسبت ہے کہ ضمہ اور رفع میں انضمام شفتین ہوتا ہے

اور اشمام میں بھی ہونٹوں کو گول کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ فتحہ اور کسرہ میں نہیں کیا جاتا اس لیے کہ اس میں اشمام کرنے کے لئے یہ حرکات ادا کر کے ہونٹوں کو گول کرنا مشکل ہے۔

خَاتِمَةُ الْكِتَابِ

خاتمہ

(۱۰۶) وَقَدْ تَقَضّٰى نَظْمِي الْمُقَدِّمَهْ
مِنِّي لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ تَقْدِمَهْ

ت : اور بے شک آخر کو پہنچی میری نظم کہ مقدمہ ہے میری طرف سے قرآن کے قاری کے لئے سوغات اور ہدیہ ہے۔

ش : حضرت مصنفؒ کی نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام المقدمۃ ہے اور (حضرت ابن الجزریؒ اور) حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام "اُرْجوزہ" ہے پس اس کتاب کو المقدمۃ الجزریہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اُرْجوزۃ الجزریہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۱۰۷) اَبْيَاتُهَا قَافٌ وَّزَايٌ فِي الْعَدَدْ ۸۳
مَنْ يُّحْسِنِ التَّجْوِيْدَ يَظْفَرْ بِالرَّشَدْ

ت : اس مقدمہ کے اشعار تعداد میں قاف اور زاء ہیں جو تجوید کو اچھی طرح جان لیتا ہے وہ استقامت کے ساتھ کامیاب رہتا ہے۔

۸۳ یہ شعر حضرت ابن ناظمؒ رومیؒ اور ملا علی قاریؒ کی شرح میں نہیں ملتا اور قیاس یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح میں بھی نہیں ہوگا مگر شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ کی شرح میں موجود ہے اور آج کل دستیاب تقریباً تمام شروح میں یہ شعر موجود ہے اس لئے شامل کیا جا رہا ہے مگر اوپر درج شارحین کی اتباع میں ہی حضرت شارحؒ نے بھی اسے شرح میں شامل نہیں فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: شعر کا ترجمہ ہم الجواہر النقیہ سے درج کر رہے ہیں۔

(۱۰۸) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَهَا خِتَامُ
ثُمَّ الصَّلٰوةُ بَعْدُ وَالسَّلَامُ

(۱۰۹) عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى وَاٰلِهٖ
وَصَحْبِهٖ وَتَابِعِيْ مِنْوَالِهٖ ۸۴

ت : اور سب تعریف اور سراہنا اللہ عزوجل کے واسطے ہے کہ اس مقدمہ کے واسطے کہ اس میں ایک سونو اشعار ہیں تمام ہونا حاصل ہوا۔ پھر صلوۃ ہے بعد **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** کے اور سلام ہے قبول کئے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اور ان کے حال کی پیروی کرنے والوں پر۔

عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارِ
وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْاَخْيَارِ

ت : صلوٰۃ اور سلام ہے اللہ کے مقبول اور پسند کئے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل اور اصحاب پر جو ساری امت میں بہتر ہیں۔ ۸۵

---

۸۴ حضرت ناظمؒ کی شرح میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔ البتہ ملا علی قاریؒ کی شرح میں موجود ہے مگر یہ شعر اس طرح ہے

عَلَى النَّبِيِّ اَحْمَدٍ وَّاٰلِهٖ
وَصَحْبِهٖ وَتَابِعِيْ مِنْوَالِهٖ

جبکہ شرح رومی میں اس طرح ہے:

عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى مُحَمَّدًا
وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ ذَوِي الْهُدٰى

۸۵ یہ حضرت شارحؒ نے ایک اور شعر نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ بھی کیا ہے یہ شعر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح میں ہوگا۔ شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ کی شرح میں دوسرے مصرعہ میں بجائے اَلْاَخْيَارِ کے اَلْاَطْهَارِ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں پہنچ کر کر شرح اختتام پذیر ہوتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِالْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

تلاوت قرآن کے آداب میں

آداب تلاوت کے بہت ہیں ان میں سے جو شرح میں لکھا ہے اس کا کچھ خلاصہ لکھتے ہیں اور بعض باتیں شرح مشکوٰۃ سے لکھتے ہیں۔

آداب تلاوت دو قسم کے ہیں (۱) باطنی (۲) ظاہری

باطنی آداب

(۱) اخلاص یعنی اس کی قرآءت میں نیت خالص ہو اور اس قرآءت سے ارادہ ہو اللہ ہی کی رضامندی کا اور اس کی قرآءت کو اللہ کی رضامندی کے سوا اور کسی چیز کا وسیلہ نہ ٹھہرائے۔

(۲) تادب یعنی آداب قرآن' دل میں یہ بات حاضر کر کے کہ وہ شخص اپنے رب سے چپکے چپکے بات کر رہا ہے اور اس کی کتاب بزرگ کو پڑھ رہا ہے سو قرآن کو اس شخص کے حال سے پڑھے کہ گویا وہ شخص اللہ سبحانہ کو دیکھتا ہے پھر اگر وہ شخص اللہ کو نہیں دیکھتا ہے تو اللہ اس کو دیکھتا ہے اور نہ ہنسے اور نہ بے فائدہ کلام کرے اور جو چیز کہ اس کو بھلا دے اور اس میں غور سے باز رکھے اس کی طرف نہ دیکھے اور قرآن پڑھنے کے وقت کسی سے بات نہ کرے پھر اگر بولنے کی بڑی ضرورت ہو تو مصحف کو بند کر کے بات کر لے بعد اس کے پھر اعوذ باللہ پڑھے اور قرآءت شروع کرے اور بہتر ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کو سلام نہ کریں اور اگر اس کو کسی نے سلام کیا تو اس کو سلام کا جواب دینا اشارے سے کفایت کرتا ہے اور اگر سلام کا جواب منہ سے دیا تو پھر از سر نو اعوذ باللہ کہے تب تلاوت کرے۔

(۳) اس کے معنی میں تدبر اور تفکر یعنی غور اور تامل کرنا تا کہ سینہ کشادہ ہو اور دل میں نور

پیدا ہو۔

(۴) دل کی حضوری قرآن کی قرآءت میں غفلت کا دروازہ وا بند کرنے اور دل کے خیالات کے دور کرنے کو اس کی یہ راہ ہے کہ اپنے کان کو اپنی زبان کے پاس کرے اور اپنے دل کو اپنے کان کے پاس اور اس مقام میں دو حال ہیں پہلا یہ خیال کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہوں اللہ تعالیٰ کے سامنے قرآن شریف پڑھتا ہوں اور وہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے قرآن کو سنتا ہے پھر اس صورت میں اپنا سوال کرنا اور بیقراری کرنا اور گریہ وزاری اور اخلاص کے ساتھ دعا کرنا ہوتا ہے اور دوسرا حال یہ ہے کہ اپنے دل کی آنکھ سے دیکھے کہ گویا اس کا رب اپنی مہربانی کے ساتھ اس کی طرف مخاطب ہے اور اس سے بات کرتا ہے اپنے احسان وانعام کے ساتھ اور اس شخص کا حال اس مقام میں جیسا اور تعظیم اور کان رکھ کے سننا ہوگا اور اس کے اوراوپر ایک درجہ ہے کہ اس کا دریافت کرنا مشکل ہے۔ ہاں مگر بعض قاریوں کو آسانی ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام میں کرنے والے کو دیکھے اور نہ اپنی طرف دیکھے اور نہ اپنی قرآءت کی طرف۔

(۵) استعاذہ یعنی قرآءت شروع کرتے وقت شیطان کی بدی سے اللہ تعالیٰ کے پاس دل سے پناہ مانگے اس کے لطف وکرم کے پاس پناہ پکڑ کے اور اس پر مکمل بھروسہ کر کے اور زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہے۔

(۶) دعا کرنا تلاوت کے آخر میں اور اس میں یہ دعا سنت ہے صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ بَلَّغَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِهٖ وَ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْحَيَّ الْقَيُّوْمَ

ظاہری آداب

(۱) مسواک کرنا کیونکہ حدیث میں آیا ہے پاک اور صاف کرو اپنے منہ کو مسواک سے کیونکہ قرآن کا راستہ ہے اور کہا گیا ہے کہ سخت کپڑے کے ٹکڑے اور انگلی وغیرہ جس سے منہ صاف ہو کفایت کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب منہ خون وغیرہ سے نجس ہو تب پانی سے دھو لینے

سے پہلے قرآءت حرام ہے اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

(۲) وضو کرنا (۳) جگہ کا پاک ہونا (۴) استقبال قبلہ۔

(۵) تحسین صوت یعنی آواز کو اچھا بنانا۔ خوش کرنا موافق فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا خوب اور نیک کرو تم لوگ قرآن کو اپنی آوازوں سے اس واسطے کہ اچھی اور خوش آواز قرآن کے حسن کو زیادہ کرتی ہے اور تحسین صوت سے مراد ہے آواز کو پاکیزہ کرنا اور آراستہ کرنا اور پتلی کرنا اور غمناک کرنا اس طور پر کہ خوف پیدا ہو دل جمعی ہو دل کے غم دور ہوں اور اللہ کی حضوری زیادہ ہو اور شوق پیدا اور دل نرم ہو اور سننے والوں میں اثر کرے اور اس طرح کی تحسین صوت تجوید کے قاعدوں کی رعایت کے ساتھ اور قرآن کے کلمات اور حروف کے نظم کی رعایت کے ساتھ ہو یعنی جس طرح سے سونے کی زنجیر یا موتی کا ہار برابر گوندھا ہوا ہوتا ہے کہیں اونچا نیچا نہیں ہوتا اس طرح سے قرآن کے لفظوں اور حرفوں کو ادا کرے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا اَیُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا بِالْقُرْاٰنِ قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهٗ يَقْرَاُ اُرِيْتَ اَنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ آدمیوں میں سے کون زیادہ شخص خوش آواز ہے قرآن پڑھنے میں فرمایا وہ شخص کہ جب اس کو تو قرآن پڑھتے ہوئے سنے تو معلوم ہو کہ بیشک وہ ڈرتا ہے اور ہیبت رکھتا ہے اللہ سے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے وہ شخص جو کہ خوش آوازی سے نہ پڑھے قرآن کو۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْئُ بَعْدِىْ قَوْمٌ يُّرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَآءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ

پڑھوتم لوگ قرآن کو عرب کے لحون میں اور ان کی خوش آوازی کے ساتھ اور عرب کے لحون (بمعنی عربی لہجے) سے مراد ہے آواز کا خوبصورت کرنا (راگ راگنی کے قاعدوں کی رعایت میں تکلف نہ کر کے) صرف اپنی طبیعت کے مطابق اور عرب کے لوگ فقط اپنی طبیعت کے مطابق لحون سے اور نرم آواز سے پڑھتے ہیں وہ لوگ قرآءت میں یہ تکلف نہیں کرتے کہ ایک لحن کا قصد کریں دوسری کا نہیں بلکہ طبیعت کی خوبی اور تیزی سے خوش آواز پڑھتے ہیں اور یہ بات اس شخص پر پوشیدہ نہیں ہے جس نے عرب کے لوگوں کی قرآءت کو دیکھا اور سنا ہے اور بچاؤ تم اور دور رکھو اپنے آپ کو عشق والوں کے لحون سے اور دو کتاب یعنی توراۃ اور انجیل والوں کے لحون سے عشق والوں کی لحن بھی جو شعر میں اور غزلیں عورتوں کے ذکر کی راگ کے قاعدوں سے پڑھتے ہیں اس میں تکلف کرتے ہیں اور یہود و نصاریٰ بھی اپنی کتاب کو اسی طرح پڑھتے ہیں اور قریب ہے کہ آئیں گے میرے بعد ایک گروہ کہ ترجیع کریں گے یعنی گٹکری (جیسے گانے میں آواز کو لہرایا جاتا ہے) لیں گے قرآن میں مانند ترجیع راگ گانے اور نوحہ کرنے یعنی بلکنے کے اوپر نہیں جاتا ہے قرآن ان کے گلوں سے یعنی قبولیت کے مقام پر نہیں پہنچتا فتنہ اور بلا میں ڈالے گئے ہیں ان کے دل دنیا کی محبت اور لوگوں کی تعریف کے خیال کے سبب سے اور ان کے دل کو جن کو خوش لگتا ہے ان کے حال کی سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

فائدہ: ترجیع کے دو معنی ہیں ایک قرآءت کا دوہرانا اور یہ بلا اختلاف درست ہے جیسا کہ پڑھا **ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا** پھر دوہرایا **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**

دوسرے حلق میں آواز کا ہلانا اور اس معنی کی راہ سے بھی ترجیع کی دو قسم ہیں ایک ترجیع راگ کی اور یہی منع ہے اور دوسری ترجیع راگ کی ترجیع کے علاوہ ہے اور وہ آواز کا اتار چڑھاؤ ہے نہایت پاکیزگی اور شیرینی اور آواز کی دردناکی کے ساتھ اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہے وہ ترجیع عرب لوگوں کی عادت جبلی ہے سو وہ خوش آوازی میں داخل ہے مشکوٰۃ کی شرح میں ہے کہ اگر یہ خوش آوازی طبیعت کی خوش آوازی ہے جو عرب لوگ رکھتے ہیں اور طبیعت کی مدد سے اس کی

آراستگی میں کوشش کرتے ہیں کہ اس کولحن عرب کہتے ہیں تو بہتر اور خوب ہے لیکن تکلف کرنا موسیقی راگ کے لانے میں مکروہ ہے اور اگر اس سے قرآن کے الفاظ بگڑ جائیں تو حرام ہے۔

علامہ طیبیؒ نے کہا کہ آواز کو اچھا کرنا خوش آوازی کے ساتھ اور آراستہ کرنا لحون کے ساتھ درست ہے اس وقت تک جب تک کہ قرآءت کی حد سے باہر نہ نکل جائے انتہیٰ۔ ۸۶

اور مصحف کو دیکھ کر تلاوت حفظ پڑھنے سے افضل ہے قرآن کا حفظ کرنا بڑا ثواب ہے مگر دیکھ کے تلاوت کرنا افضل ہے جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ زبانی پڑھنے سے ہزار درجہ ثواب ہوتا ہے اور مصحف دیکھ کے پڑھنے میں اس کا دگنا ثواب ہوتا ہے یعنی دو ہزار درجہ تک اور اس واسطے کہ مصحف میں نظر کرنا اور اس کا اٹھانا اور چھونا ثواب کو زیادہ کرتا ہے۔

اور قرآءت کھڑے ہو کے نماز میں افضل ہے نماز کے سوا اور مقام میں اور قرآن کی قرآءۃ کسی وقت میں مکروہ نہیں ہے جیسا کہ نماز بعض وقت میں مکروہ ہے اور بعض مشائخ سے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں نے عصر کے بعد قرآءت کو مکروہ جانا اور کہا کہ یہ یہود کے پڑھنے کا وقت ہے سو اس بات کی کچھ اصل نہیں اور کسی جگہ میں مکروہ نہیں ہے صرف جگہ پاک وصاف ہونی چاہیے۔

اور قرآن پڑھنے کے افضل اوقات یہ ہیں رات کا آخری پہر یعنی تہجد کا وقت اور مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان اور صبح کی نماز کے بعد اور جمعہ کے روز اور دوشنبہ کے روز اور جمعرات کے روز اور عرفہ کے روز اور رمضان کے مہینے میں خصوصاً رمضان کے آخری دس روز میں اور ذی

---

۸۶ حضرت شارح قاری کرامت علی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا اور لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ جیسی دیگر احادیث جن میں قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کے متعلق فضائل مذکور ہو رہے ہیں ان کے متعلق بہت عمدہ اور تفصیلی تشریح وتوضیح کی ہے۔ شائقین مزید تفصیل دیکھنا چاہتے ہوں تو ''المرشد فی مسائل التجوید والوقف'' مؤلفہ والد گرامی قدر حضرت استاذ القراء والمجودین قاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ اور ''شرح فوائد مکیہ'' مؤلفہ استاذنا وشیخنا استاذ القراء والمجودین قاری محمد ادریس العاصم حفظہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ فرمائیں۔

الحجہ کے اول دس روز میں۔

اور افضل یہ ہے کہ سورۂ والضحیٰ سے لے کے آخر قرآن تک ہر سورۃ کے آخر میں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے کیونکہ یہ سنت ہے تو ہر سورۃ کے تمام ہوتے وقت کہے اللہ اکبر اسی قدر پر کفایت کرے اور مختار یہ ہے کہ تہلیل زیادہ کرے اور کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور بعضوں نے کہا ہے کہ بلکہ تحمید زیادہ کرے یعنی وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بھی کہے۔

افضل ہے کہ بعد ختم کے شروع کرے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ تمام سورۃ تک اور سورۂ بقرہ کے شروع سے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک۔ ایسے ہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب عملوں میں بہتر عمل ہے اترنا اور کوچ کرنا لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں کام کیا ہیں فرمایا قرآن کا ختم کرنا اور شروع کر دینا اور بعد ختم کے آیت الکرسی اور آمن الرسول آخر سورۃ تک پڑھنا بھی مستحب ہے۔

اور قرآن عظیم کے ختم کے بعد دعا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے ہے اور ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے حدیث میں آیا ہے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک درخت جنت میں تیار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کرتے ہیں شیخ امام محی الدین نوویؒ نے فرمایا چاہیے کہ ختم کے بعد دعا میں خوب الحاح وزاری کرے اور بضد ہو کے دعا مانگے اور یہ کہ دعا میں مانگے مسلمانوں کے اجتماعی کاموں اور مہموں کے پورا ہونے کے واسطے دعا کرے اور دعا کے الفاظ ایسے ہوں کہ سب طرح کی بھلائی اس میں جمع ہوں اور یہ کہ دعا کا بڑا مطلب یا سارا مطلب آخرت کے کاموں کے واسطے اور مسلمانوں کے حق میں اور ان کے نیک بادشاہ کی بھلائی کے واسطے بھی دعا کرے اور مسلمانوں کی بھلائی کے امور سرانجام دینے والے جتنے عمال اور حاکم ہیں سب کی بھلائی کے واسطے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بندگی کی توفیق دے اور ان کو شرع کی مخالفت سے

بچائے اور نیکی اور پرہیز گاری کے امور بجالانے میں وہ لوگ قائم رہیں اور سب کے سب حق پر جمع رہیں اور دین اسلام کے دشمنوں اور مسلمانوں کے سارے مخالفوں پر اللہ تعالیٰ ان کو غالب رکھے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ختم کرنے کے وقت کہتے تھے
اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّ نُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰھُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَ عَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

یا اللہ میرا انیس اور ساتھی ہو اور مجھ کو آرام اور چین دے میری وحشت کے وقت میری قبر میں یا اللہ مجھ پر رحم کر قرآن عظیم کے سبب اور قرآن کو میرے واسطے امام اور نور اور ہدایت اور رحمت کا وسیلہ بنا۔ یا اللہ! مجھ کو یاد دلا جو کچھ میں قرآن میں سے بھول گیا ہوں اور مجھ کو تعلیم کر جو کچھ میں قرآن میں نہیں جانتا ہوں اور مجھے نصیب کر قرآن کی تلاوت رات کی گھڑیوں میں اور دن کی حدوں میں اور کر قرآن کو میرے واسطے دلیل نجات کی اے پروردگار سارے عالم کے

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍوَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِكَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

الحمد للہ اردو زبان میں المقدمۃ الجزریہ کی اولین اردو شرح ''ہندی شرح جزری'' مؤلفہ استاذ القراء والمجودین الشیخ قاری کرامت علی صدیقی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح۔ تبویب اور مفید حواشی سے فراغت ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

قاری نجم الصبیح تھانوی عفی عنہ
۱۹ ذی الحج ۱۴۲۴ھ
مطابق فروری ۲۰۰۴ء

فہرست مضامین

قرآءت اکیڈمی کی مطبوعات درج ذیل جگہوں پر بھی دستیاب ہیں

کراچی	علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی
لاہور	ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
	نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور
	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
بہاولپور	پاکستان بک کمپنی شاہی بازار بہاولپور
	مکتبہ صدیقیہ نور محل روڈ بہاولپور
کوئٹہ	مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
	مکتبہ ماجدیہ عیدگاہ طوغی روڈ کوئٹہ
پشاور	کتب خانہ اکرمیہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور
صوابی	المکتبۃ الاظہاریہ اندرون جامعہ رحیمیہ ترکئی ضلع صوابی
راولپنڈی	کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
گوجرانوالہ	مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
منگورہ	مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ منگورہ
	مکتبہ القرآن والحدیث نیو روڈ منگورہ

قرآءت اکیڈمی، ۲۸-الفضل مارکیٹ، ۱۷ اردو بازار لاہور